مجھے رنگ دے

نبیلہ ابر راجہ



مکمل ناول

نبیلہ ابر راجہ

مجھے رنگ دے

زندگی سے ڈرتے ہو
زندگی تو تم بھی ہو
زندگی تو ہم بھی ہیں
آدمی سے ڈرتے ہو
آدمی تو تم بھی ہو
آدمی تو ہم بھی ہیں
آدمی زباں بھی ہے
آدمی بیاں بھی ہے
اس سے تم نہیں ڈرتے
حرف اور معنی کے رشتہ ہائے آہن سے
آدمی ہے وابستہ
آدمی کے دامن سے زندگی ہے وابستہ
اس سے تم نہیں ڈرتے
جو ابھی نہیں آئی اس گھڑی سے ڈرتے ہو
اس گھڑی کی آمد کی آگہی سے ڈرتے ہو

"میڈم! ڈاکٹر صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔" وہ ہڑبڑا کر ڈاکٹر آفتاب کی سیکریٹری کی طرف متوجہ ہوئی جو اس کے حد درجہ استغراق پر مسکراتی نگاہوں سے اسے اندر جانے کا اشارہ کر رہی تھی۔

حیدر بھائی اب سے پندرہ منٹ پیشتر اسے ہاسپٹل کے گیٹ پر ڈراپ کر گئے تھے۔ سڑک کے عین کنارے بڑا سا بورڈ نصب تھا جس پہ موٹے الفاظ میں ڈاکٹر آفتاب فاؤنڈیشن تحریر تھا۔ دور سے ہی دیکھنے والوں کو متوجہ کرتا تھا۔

گیٹ پر باوردی چوکیدار مستعد بیٹھا تھا۔ حوریہ پہلی بار پھوپھو کو دیکھنے ہاسپٹل آئی تھی۔ جو دو دن پہلے ایڈمٹ ہوئی تھیں۔

ہاسپٹل میں داخل ہوتے ہی سیدھے ہاتھ پر خوب صورت اور دلکش سی لڑکی بیٹھی تھی، پہلا ٹکراؤ اسی سے ہوا۔

"زہرا بیگم کون سے روم میں ہیں؟ دو دن پہلے ایڈمٹ ہوئی ہیں، ہارٹ پیشنٹ ہیں۔" لڑکی کی سوالیہ نگاہوں کے جواب میں اس نے تفصیل بتائی تو



اس نے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"آپ تشریف رکھیے' پہلے ڈاکٹر صاحب سے مل لیں۔ وہ بزی ہیں' آپ کو انتظار کرنا پڑے گا۔"

استقبالیہ پر بیٹھی وہ لڑکی جتنی خوب صورت تھی۔ اس سے زیادہ خوب صورت اس کا اخلاق تھا۔ بیٹھتے ہی حوریہ نے اردگرد کا جائزہ لیا۔ ہاسپٹل کے چاروں دیواروں پہ خوب صورت فریم آویزاں تھے۔ یہ کوئی ایسی حیرت انگیز یا قابل ذکر بات نہیں تھی۔ انسٹیوٹ ہاسپٹل میں اس طرح کی سجاوٹ دیکھنے میں آہی جاتی ہے' لیکن خاص بات یہ تھی۔

سب فریم شاعری اور بڑے لوگوں کے اقوال سے سجے ہوئے تھے۔ خطاطی کا خوب صورت نمونہ تھے۔

حوریہ کو بیس منٹ گزرنے کا پتہ بھی نہ چلا وہ خوب صورت دلکش الفاظ میں کھوئی رہی۔ ابھی بھی جب ڈاکٹر آفتاب کی سکریٹری نے اسے اندر جانے کا اشارہ کیا' وہ عین سامنے لگے فریم میں رکھی شاعری پڑھ رہی تھی اور سر دھن رہی تھی۔ اسے بھی نعمان احمد کی طرح شاعری سے دلچسپی تھی۔

حوریہ لکڑی کا منقش دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔

اندر کا ماحول باہر کے مقابلے میں زیادہ بارعب اور متاثر کن تھا۔ ڈاکٹر آفتاب کے کمرے میں چاروں طرف لکڑی کی الماریوں میں کتابیں سجی تھیں۔ ڈاکٹر آفتاب کی پشت والی دیوار پر ان کی تصویریں' سرٹیفکیٹ اور کچھ تعریفی اسناد آویزاں تھیں۔ اس کے ساتھ ہی شیشے کے شیلف پر ٹرافیاں اور شیلڈز سجی تھیں۔ جو یقیناً" ڈاکٹر آفتاب کی بہترین کارکردگی پہ دی گئی تھیں۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام' بسم اللہ' تشریف رکھیے۔" اس کے سلام کے جواب میں ڈاکٹر صاحب کی نرم آواز ابھری تو اس نے دیوار کے ساتھ پڑے صوفے پہ نشست سنبھال لی۔

"آپ زہرا صاحبہ کو دیکھنے آئی ہیں؟"

"جی ہاں!" اس نے سر کی ہلکی سی جنبش سے جواب دیا۔

"اب وہ کافی بہتر ہیں' جب انہیں یہاں لایا گیا تھا تو تب ان کی حالت بہت خراب تھی۔ اب جا کر اپنے مریض کو دیکھیں۔ فرق خود پتا چل جائے گا۔ آپ تشریف لے جاسکتی ہیں۔"

ڈاکٹر صاحب اپنے سامنے رکھی فائلیں دیکھنے لگے حوریہ دروازہ کھول کر باہر آگئی۔ سکریٹری نے وارڈ تک اس کی رہنمائی کر دی۔

حوریہ پھوپھو سے ملی۔ واقعی پہلے کے مقابلے میں ان کی حالت کافی بہتر لگ رہی تھی۔ وہ پھوپھو کے ساتھ ہی ان کے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ کافی کشادہ کمرا تھا' ٹی وی اور اٹیچ باتھ روم کی سہولت بھی تھی۔ ساتھ ہی ایک صوفہ بھی تھا کہ اگر کوئی رات مریض کے پاس رکنا چاہے تو اسے پریشانی نہ ہو۔

"پھوپھو! یہاں کوئی پریشانی تو نہیں ہے ناں۔" اس نے ان کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔

"ارے نہیں پریشانی کیسی۔ مجھے تو لگ رہا ہے۔ میں اپنے گھر میں ہوں بلکہ سچ پوچھو تو ایسا آرام تو مجھے گھر میں بھی نہیں ملا۔ جو دو دن سے یہاں مل رہا ہے۔ نرسیں اتنا خیال کرتی ہیں۔ خود ڈاکٹر صاحب تو دن میں چار چار بار آکر دیکھیں گے مجھے اور کھانا بھی بہت اچھا ہے ہر چیز ہاسپٹل میں ہی مل جاتی ہے۔ باہر جانے کی ضرورت ہی نہیں ہے تب ہی تو کل میں نے حنا کو گھر بھجوا دیا تھا۔ کیونکہ ڈاکٹر صاحب نے نرسوں سے کہا ہے کہ رات کو بھی میرا خیال رکھیں۔ رات کو مجھے دوائی کھلا کر جاتی ہیں اور کہتی ہیں رات کو پھر بھی ہماری ضرورت پڑے تو یہ گھنٹی بجا دیں۔" پھوپھو نے بیڈ کے ساتھ لگے بٹن کی طرف اشارہ کیا۔

"چلیں شکر ہے پھوپھو! ہاسپٹل اور ڈاکٹر اچھا مل گیا ہے ورنہ آپ تو ہاسپٹل سے ہمیشہ دور بھاگتی آئی ہیں۔"

"ہاں' ٹھیک کہتی ہو حوری! تم بھی۔ میں نے

تکلیف اور بیماری میں دوائی نہیں کھائی' مگر اب دیکھو ہاسپٹل میں پہنچ گئی ہوں اور دوائی بھی کھا رہی ہوں تکلیف ہی ایسی ہے تو۔"

یکایک وہ افسردہ نظر آنے لگیں۔

"پھوپھو! آپ ٹھیک ہو جائیں گی اور پھر بیماری میں دوائی کھانا پڑتی ہے' دو دن آپ کو اس ہاسپٹل میں آئے ہوگئے ہیں اور ان دو دنوں میں ہی آپ کی طبیعت کافی بہتر لگ رہی ہے۔" اس نے پھوپھو کے ہاتھوں کو چوما تو وہ اس کی اتنی محبت و توجہ پہ پہلے کی طرح خوش ہو گئیں۔

کچھ دیر بعد پھوپھو کے سسرالی عزیز بھی آگئے۔ وہ از سر نو ان کو ہاسپٹل اور ڈاکٹر کی قابلیت کے بارے میں بتانے لگیں۔ حیدر بھائی شام کے بعد عافیہ بھابھی کے ساتھ آئے۔

حوریہ پھوپھو کے پاس رکنا چاہ رہی تھی اور عافیہ کی مرضی بھی یہی تھی مگر زہرا بیگم نے واپسی پہ اسے حیدر اور عافیہ کے ساتھ گھر بھجوا دیا۔

☆ ☆ ☆

اندر سے آنے والی آوازوں اور چہل پہل سے اندازہ ہو رہا تھا کہ گھر میں کوئی مہمان آیا ہے اور اس کا یہ اندازہ ٹھیک نکلا۔ عافیہ بھابھی کی چھوٹی بہن نتاشا کی سٹوری ڈرائنگ روم میں بیٹھی تھی اور سب بچے بھی اس کے گرد جمع تھے۔

حسان آفس سے آیا تو وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔ حوریہ کچھ دیر وہاں بیٹھی پھر عافیہ نے اسے کچن میں بلوا لیا۔ نتاشا کی آمد پہ خاص اہتمام تھا۔ عافیہ نے چکن بریانی پکانے کا کام اس کے سپرد کیا۔ ساتھ ہی فروٹ ٹرائفل اور سلاد بھی۔ چکن بریانی کو دم پہ رکھ کر حوریہ نے سلاد کے لیے سبزیاں کاٹنی شروع کیں۔ عافیہ اس دوران کچن سے جاچکی تھی۔

خوش گپیوں کے درمیان کھانا کھایا گیا۔ نتاشا مسلسل حسان پہ فقرے چست کر رہی تھی۔ وہ بہت حاضر جواب اور شوخ تھی۔ کھانے کے بعد قہوے کا دور چلا۔

موسم اچھا خاصا بدلا ہوا تھا' اپریل کے خوشگوار دن اختتام پذیر تھے۔ حوریہ برتن دھو رہی تھی۔ حیدر بھائی کھانے کے بعد کمرے میں سونے چلے گئے تھے۔ عافیہ نے ثریا اور رانیہ کو سونے بھیج دیا تھا۔

اب ٹی وی لاؤنج میں عافیہ' نتاشا اور حسان بھی تھے۔

حسان نے ہی حوریہ کی عدم موجودگی محسوس کی اور پھر اسے آواز بھی دے ڈالی۔ جس پہ عافیہ کے چہرے کے تاثرات عجیب سے ہوگئے۔

"جی حسان بھائی!" وہ ہاتھ خشک کرتے ہوئے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔

"بھئی۔ کہاں گم ہو۔ آکے بیٹھو یہاں۔" حسان کا انداز ہمیشہ کی طرح اپنائیت بھرا تھا جس پہ نتاشا اور عافیہ نے معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

اس کے آنے پر یک دم خاموشی چھا گئی جس کو حوریہ نے بڑی شدت سے محسوس کیا۔ دوسروں کے رویے کے بارے میں وہ شروع سے ہی بڑی حساس تھی۔ معمولی سی تبدیلی بھی محسوس کر لیتی تھی۔ چنانچہ کچھ دیر بعد ہی سونے کا کہہ کر وہ یہاں سے اٹھ آئی۔ بعد میں عافیہ بھی اٹھ گئی اور نتاشا' حسان کے پاس بیٹھی کافی دیر باتیں کرتی رہی۔

☆ ☆ ☆

زہرا بیگم کو ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہوئے آٹھواں روز تھا۔ زہرا بیگم ڈاکٹر آفتاب کی تعریف کرتے نہیں تھکتی تھیں۔

ٹھیک دسویں دن ڈاکٹر آفتاب نے زہرا بیگم کو گھر لے جانے کی اجازت دے دی۔ جانے سے پہلے انہوں نے زہرا بیگم کے ساتھ موجود افراد کو اپنے آفس میں بلوایا۔ حوریہ' حسان' حیدر' عافیہ سب ڈاکٹر آفتاب کے پاس بیٹھے تھے جو انہیں زہرا بیگم کے حالیہ ٹیسٹ کے بارے میں بتا رہے تھے۔

"جب ماں جی کو یہاں لایا گیا تو ان کے دل کا ایک والو بند تھا۔ بلڈ پریشر بہت ہائی تھا اور گردوں میں پتھری بھی تھی اور اب آج کے ٹیسٹ دیکھیں۔ سب کچھ کلیئر ہے۔ بی پی نارمل ہے گردوں میں پتھری بھی نہیں ہے اور دل کا والو بغیر آپریشن ہم نے کھول دیا ہے۔ اللہ کا بڑا کرم ہوا ہے ماں جی اب خطرے سے باہر ہیں۔"

"ڈاکٹر صاحب! یہ سب آپ کے ہاتھ کی شفا ہے اور ہم بڑے خوش قسمت ہیں جو بروقت امی جان کو لے آئے آپ کے پاس۔"

حیدر بھائی بہت ہی شکر گزار نظروں سے ڈاکٹر آفتاب کو دیکھ رہے تھے۔

"یہ سب اوپر والے کا کمال ہے ورنہ میں کیا اور میری اوقات کیا۔ آج تک اس ہاسپٹل میں آنے والا کوئی بھی مریض بغیر صحت یاب ہوئے واپس نہیں گیا۔ یہ سب اللہ کی مہربانی کے طفیل ہے۔"

ڈاکٹر آفتاب دھیرے دھیرے بول رہے تھے اور لگ ہی نہیں رہا تھا یہ شخص جو اتنی عاجزی اور خاکساری کا نمونہ ہے اتنا بڑا ڈاکٹر ہے۔ وہ سب متاثر تھے۔ واپسی پہ بھی گاڑی میں ڈاکٹر آفتاب کی ہی باتیں ہوتی رہیں ان کی قابلیت کے گن گائے جاتے رہے وہ واقعی تھے بھی ایسے۔ غرور تو چھو کر بھی نہیں گزرا تھا۔

زہرا بیگم بتا رہی تھیں کہ مستحق اور نادار مریضوں کے علاج کا خرچ ڈاکٹر آفتاب فاؤنڈیشن ستر فیصد خود برداشت کرتی ہے۔

"فرشتہ ہے فرشتہ ڈاکٹر آفتاب انسان کے روپ میں۔ نرسیں تو اس کی تعریف کرتے نہیں تھکتیں اور عام مریضوں کا بھی یہی حال ہے۔ اتوار تو کیا عید تک کے دن بھی چھٹی نہیں کرتا۔ صبح نو بجے آتا ہے اور رات بارہ کے بعد جاتا ہے اور اگر کوئی ایمرجنسی ہو جائے تو رات کو خود آجاتا ہے۔ مجھے تو کبھی کبھی اس نیک انسان پہ ترس آتا ہے۔"

زہرا بیگم بات کرتے کرتے خاموش ہو گئیں تو حیدر اضطرابی انداز میں بول پڑا۔

"کیوں؟" وہ خود ڈاکٹر آفتاب سے مل کر بہت متاثر ہوا تھا۔

"اسے اپنی گھریلو زندگی میں سکون میسر نہیں ہے مجھے تو بالکل اپنی ماں کی طرح عزت دی ہے اس نے اس لیے اپنی زندگی کے بارے میں بھی بتایا۔ بس ایسے ہی نیک لوگوں کو اللہ امتحان کے لیے چنتا ہے۔"

گھر واپس آتے ہی عزیز و اقارب زہرا بیگم کی عیادت کے لیے آنا شروع ہو گئے۔ حوریہ کا دن بہت مصروف گزرتا تھا۔ پھوپھو کو وقت پہ دوائی کھلانا اس کی ذمہ داری تھی۔ ان کے لیے پرہیزی کھانا بھی وہ خود بناتی۔ عافیہ کے سر سے یہ بوجھ کم ہوا تو اس نے بھی سکون کی سانس لی۔

حوریہ نے اپنا بستر پھوپھو کے کمرے میں ہی سیٹ کر لیا تھا کہ رات کو کسی بھی وقت انہیں اس کی ضرورت پڑ سکتی تھی۔

پھوپھو کی بیماری اسے اندر ہی اندر پریشان کر رہی تھی۔ ڈاکٹر آفتاب نے ایک ماہ کے بعد دوبارہ چیک اپ کے لیے بلوایا تھا۔ پھوپھو کے ساتھ حوریہ' عافیہ بھابھی بھی تھیں۔

حیدر بھائی انہیں ڈراپ کر کے چلے گئے۔

ڈاکٹر آفتاب نے بڑی شائستگی سے ان دونوں کا حال احوال پوچھا۔

"آپ نے ان کا بہت خیال رکھنا ہے۔" ان کا مخاطب عافیہ اور حوریہ تھیں۔

"یہ ہی تو میرا خیال رکھتی ہے' اللہ اس کا نصیب اچھا کرے۔ مجھے اس کی بہت فکر ہے۔ یہ میرے جیتے جی اپنے گھر کی ہو جائے تو سکون سے مرسکوں گی۔" وہ بہت پیار سے حوریہ کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"یہ آپ کی کیا لگتی ہیں؟" زہرا بیگم کے انداز نے ڈاکٹر آفتاب کو حوریہ میں دلچسپی لینے پہ مجبور کر دیا۔

"میرے بھائی کی اکلوتی نشانی ہے۔ ماں پیدا ہوتے ساتھ ہی مر گئی تھی۔ باپ زمینوں کے جھگڑے میں مارا گیا۔ اس بدنصیب کا میرے سوا کوئی نہیں ہے۔ بیٹا! دعا کرو کہ اس کا نصیب اچھا ہو۔" زہرا بیگم کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

"ماں جی! آپ کیوں فکر کرتی ہیں۔ اللہ ان کی قسمت اچھی کرے گا۔ آپ جیسی نیک خاتون کے سائے میں انہوں نے پرورش پائی ہے تو یہ کیسی ہوں گی۔ مجھے یہ اندازہ لگانے میں چنداں دشواری نہیں ہے۔"

ڈاکٹر آفتاب کا انداز اتنا پُر اثر تھا کہ حوریہ یک ٹک دیکھتی رہ گئی۔

"میرے پاس ہر طرح کے لوگ علاج کے لیے آتے ہیں۔ ایک بار ایک پریشان حال خاتون نے مجھ سے اپنی بچی کے سلسلے میں پریشانی کا اظہار کیا۔ انہوں نے نہ جانے کیوں مجھ سے اتنی امیدیں وابستہ کر لیں کہ کہنے لگیں ڈاکٹر صاحب اللہ کے بعد آپ ہی ہمارا سہارا ہیں۔ خیر اس بچی کا رشتہ بہت اچھے گھرانے میں ہوا اس کے لیے وسیلہ اللہ نے مجھ گناہ گار کو بنایا۔ آج وہ خاتون مجھے دعائیں دیتی ہیں۔ میں نے ایک این جی او بنائی ہے۔ ایک شیلٹر ہاؤس بھی ہے بے سہارا عورتوں اور یتیم بچوں کے لیے۔ ایک ویلفیئر ٹرسٹ بھی ہے۔ بتانے کا مقصد یہ ہے کہ میں نے اپنی زندگی کو انسانیت کی فلاح کے لیے وقف کر دیا ہے اور اللہ نے میری زندگی میں آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔ مجھے دوسروں کے کام آکر خوشی ملتی ہے۔"

"بیٹا! اللہ تمہیں خوش رکھے' لمبی زندگی دے۔ میرے دل سے تو دعا ہی نکلتی ہے۔" زہرا بیگم کا لہجہ بے ریا اور پُر خلوص تھا۔

"بس مجھے دعائیں ہی چاہئیں میری زندگی میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے بس صرف......" ڈاکٹر آفتاب ایک دم سے سنجیدہ ہو گئے مگر پھر فوراً ہی خود کو سنبھال لیا اور زہرا بیگم کو کچھ مزید ٹیسٹ کروانے بھیج دیا۔

زہرا بیگم اور حوریہ کی غیر موجودگی میں عافیہ ڈاکٹر آفتاب سے باتیں کرتی رہی۔ ان کی ذاتی زندگی کے بارے میں کرید کرید کر پوچھا۔ انہوں نے خوش دلی سے ہر سوال کا جواب دیا۔ جب زہرا بیگم ٹیسٹ کروا کر فارغ ہوئیں' عافیہ ڈاکٹر آفتاب سے ان کا پرسنل نمبر لے کر اپنے موبائل فون میں محفوظ کر چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

زہرا بیگم اپنے زیورات نکال کر بیٹھی ہوئی تھیں۔ کھلے دروازے سے عافیہ نے اندر جھانکا تو وہ بھی ادھر ہی آ گئی۔

"آنٹی! کیا کر رہی ہیں یہ سونے کی زیور کیوں نکالے ہوئے ہیں؟" اس کی نگاہیں جڑاؤ سیٹ پر جمی تھیں۔

"بس بیٹا! نکال کر دیکھ رہی تھی۔ سوچ رہی ہوں، پالش کروالوں۔" انہوں نے مصروف سے انداز میں کہا تو عافیہ کو تجسس سا ہوا۔

"پالش کیوں کروانا ہے آنٹی؟"

"حنان کی دلہن کے لیے نکال کر رکھے ہیں منگنی پہ ایک سیٹ چڑھاؤں گی' یہ والا کیسا ہے؟"

انہوں نے معصومانہ اشتیاق سے جڑاؤ سیٹ کی طرف اشارہ کیا مگر عافیہ اس وقت اپنے آپ میں نہیں تھی۔ منگنی' دلہن' سیٹ اس کے ذہن میں گڈمڈ ہو رہے تھے۔

"حنان کے لیے لڑکی ڈھونڈلی ہے آپ نے؟" اس نے اپنی اندرونی حالت پہ قابو پا کر بظاہر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"لڑکی کہاں ڈھونڈنی ہے۔ گھر میں ہی ہے۔"

"گھر میں؟"

"ہاں اپنی حوریہ کی بات کر رہی ہوں۔" وہ اپنے آپ میں مگن تھیں ورنہ عافیہ کے ناگوار تاثرات انہیں ضرور چونکاتے۔

"مگر آنٹی! حوریہ' حنان سے بڑی ہے اور پھر تو عمری میں اس کے ساتھ جو حادثہ ہوا ہے۔ مجھے تو یہ رشتہ بے جوڑ لگ رہا ہے۔ حنان کو ایک سے ایک کم عمر' خوب صورت لڑکی مل سکتی ہے۔"

اس نے دل کی بات کہہ ڈالی جو زہرا بیگم کو اچھی نہیں لگی۔

"تین چار سال کی چھوٹائی بڑائی کوئی اہمیت نہیں رکھتی پھر حوریہ دیکھنے میں کسی طرح بھی حنان سے بڑی نہیں لگتی۔ اور جو حادثہ اس کے ساتھ ہوا یہ ایسی یاد رکھنے والی بات بھی نہیں ہے اور پھر اس بات کو اب گیارہ سال گزر چکے ہیں۔"

زہرا بیگم اس کے اعتراض کو خاطر میں نہیں لائی تھیں۔ پھر بھی عافیہ نے ایک اور کوشش کی۔

"آپ نے حنان سے پوچھا ہے؟"

"اس سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں اسے بتا دوں گی' وہ انکار نہیں کرے گا۔ پھر انکار کرنے کی کوئی وجہ بھی نہیں ہے۔ حنان خوش قسمت ہو گا جو حوریہ جیسی لڑکی اس کی بیوی بنے گی۔" ان کے لہجے میں محبت ہی محبت تھی۔

عافیہ برا سا منہ بنا کر ان کے پاس سے اٹھ آئی۔ اس نے سب سے پہلے اپنے میکے فون کر کے یہ بات بتائی۔ نتاشا کا تو برا حال تھا۔ عافیہ نے باتیں کر کر کے چھیڑ چھیڑ کر اسے خوابوں کی وادی میں پہنچا دیا تھا۔ وہ حنان پر اپنا حق سمجھتی تھی۔ عافیہ کا شروع سے ہی ارادہ تھا کہ اس گھر میں دیورانی بن کر نتاشا ہی آئے گی۔ کیونکہ حنان بہت ذہین اسٹوڈنٹ تھا۔ عافیہ آٹھ سال پہلے اس گھر میں حیدر کی دلہن بن کر آئی تھی۔ تب سے حنان ہر کلاس میں امتیازی نمبروں کے ساتھ پاس ہو رہا تھا۔ ایف ایس سی کے بعد اس نے اپنے لیے انجینئرنگ لائن چنی۔

انجینئرنگ مکمل کرنے کے بعد اس کو بہت اچھی جاب مل گئی تھی دیگر سہولیات اس کے علاوہ تھیں۔ وہ تو اور ہی خواب دیکھ رہی تھی مگر زہرا بیگم نے حقیقت کا سامنا کروا دیا تھا۔

نتاشا نے دو ماہ پہلے ہی گریجویشن کا امتحان دیا تھا۔ عافیہ کا ارادہ تھا کہ جیسے ہی رزلٹ آؤٹ ہو وہ حیدر سے نتاشا اور حنان کے رشتے کی بات کرے اور وہ پھر اس کی خواہش کو زہرا بیگم تک پہنچائے۔

عافیہ کو امید تھی زہرا بیگم انکار نہیں کریں گی پھر حنان کی بھی کسی بات سے آج تک نتاشا کے بارے میں کوئی ناپسندیدگی عیاں نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ نتاشا کی آمد سے وہ خوش ہوتا اس کی شگفتہ مزاجی اور بزلہ سنجی اسے پسند تھی۔

اب اچانک زہرا بیگم' حوریہ کو درمیان میں لے آئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

حوریہ نے زہرا بیگم کو کھانے کے بعد دوا بھی کھلا دی تھی۔ وہ عشاء کی نماز سے فارغ ہوئی تو انہوں نے دوبارہ آواز دے ڈالی۔ وہ جائے نماز رکھ کر ان کے پاس چلی آئی۔

"جی پھوپھو! کیا بات ہے؟"

جواباً انہوں نے اسے پاس بٹھایا اور اس کا دایاں ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر پیار سے چوما۔ ان کی آنکھوں میں آنسو لرز رہے تھے۔ وہ تڑپ ہی تو گئی۔

"پھوپھو! کیوں رو رہی ہیں؟" اس نے اپنے ہاتھوں کے پیالے میں ان کا چہرا تھام لیا۔

"یہ خوشی کے آنسو ہیں۔ آج میرا بھائی' میرا شجاعت زندہ ہوتا تو میں اس کے پاس تمہیں مانگنے جاتی۔ پوری چاؤ اور مان کے ساتھ۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تمہیں حنان کی دلہن بنا کر ہمیشہ کے لیے اپنے پاس رکھ لوں۔ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے نا؟"

حوریہ پوری طرح نروس ہو گئی۔ ایک دم سے پھوپھو نے غیر متوقع بات کی تھی وہ گھبراہٹ اور شرم کے ملے جلے تاثرات کا شکار تھی۔ پھر اس سے پھوپھو کے پاس مزید بیٹھا نہیں گیا' اٹھ کر ٹیرس پہ آ گئی۔ اسے پھوپھو سے بہت شرم آ رہی تھی۔

اس کے جانے کے بعد زہرا بیگم نے حنان کو بلوایا۔ اور اس سے بھی یہی بات کی۔

"میں پہلے اپنی خواہش کو دل میں دبائے رہی کہ تم پڑھ رہے ہو پھر تمہاری نوکری کا انتظار تھا۔ اب تم دو سال سے برسر روزگار ہو' اچھا کما رہے ہو۔ حوریہ تمہارے سامنے ہے۔ بہت اچھی لڑکی ہے۔ مجھے امید ہے وہ تمہاری زندگی کو سنوار دے گی۔" ساتھ ہی وہ حنان کے تاثرات بھی دیکھ رہی تھیں۔

"ٹھیک ہے امی! جو آپ کی مرضی۔" حنان خاصی دیر خاموش رہنے کے بعد بولا تو زہرا بیگم نے اس کا ماتھا چوم لیا۔

"ٹھیک ہے۔ اگلے اتوار کو منگنی کی رسمی سی تقریب کر لیتی ہوں۔ تم اپنے قریبی دوستوں کو بلا لینا۔ میں نہیں چاہتی کہ حوریہ کے دل میں کوئی ارمان باقی رہے۔ اس کے بعد ایک ماہ کے اندر اندر شادی بھی کر لیں گے۔" زہرا بیگم اپنا پروگرام بتا رہی تھیں۔

صبح انہوں نے عافیہ کو بھی اپنے پروگرام کے بارے میں بتا دیا۔

"حوریہ کو بازار لے جانا۔ وہ منگنی کا جوڑا اور دیگر چیزیں اپنی پسند سے خرید لے گی۔ ساتھ ہی لسٹ بتاؤ کہ کن کن لوگوں کو بلانا ہے منگنی میں۔" وہ اس کے دل کی حالت سے بے خبر بتا رہی تھیں اور عافیہ کے منہ سے کوئی لفظ ہی نہیں نکل رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

انسان جو سوچتا ہے۔ ضروری نہیں کہ وہی ہو۔ زہرا بیگم جو حوریہ اور حنان کی منگنی کے انتظام کرنے میں مصروف تھیں۔ رات کو اچانک بلڈ پریشر ہائی ہو جانے سے ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہو گئیں۔ حیدر اور حنان انہیں ایمرجنسی میں قریبی ہاسپٹل میں لے گئے۔ مگر تب تک دیر ہو گئی تھی۔ زہرا بیگم کو برین ہیمبرج ہوا تھا اور جسم کا بایاں حصہ پیرالائز ہو چکا تھا۔

اسی پوزیشن میں دس دن رہنے کے بعد وہ بڑی خاموشی سے خالق حقیقی سے جا ملیں۔

باقی گھر والوں کا جو حال تھا وہ سو تھا مگر جو حوریہ پہ گزر رہی تھی۔ وہی جانتی تھی۔ ابو کے قتل کے بعد آج سے ساڑھے سات سال پہلے اسے گاؤں سے شہر اپنے پاس لانے والی پھوپھو زہرا ہی تھیں۔ انہوں نے کسی موقع پر بھی اسے تنہائی یا اکیلے پن کا احساس نہیں ہونے دیا تھا۔ اسے بالکل سگی بیٹیوں کی طرح محبت دی' خود ان کی اپنی کوئی بیٹی تو تھی نہیں یہ خلا حوریہ کے وجود سے بخوبی پر ہو گیا تھا۔

حیدر بھائی حوریہ سے ڈیڑھ سال بڑے تھے جبکہ

حنان اس سے ساڑھے تین سال چھوٹا تھا۔ وہ شروع سے ہی کتابی کیڑا تھا۔ کالج اور یونیورسٹی سے گھر آنے کے بعد دوستوں اور پڑھائی میں مصروف ہو جاتا۔ حیدر بھائی، حوریہ کو بہنوں کی طرح ہی چاہتے تھے۔ مگران کی ڈور شادی کے بعد عافیہ کے ہاتھ میں تھی۔ سو حوریہ کو شروع سے ہی ان کی مجبوری کا اندازہ تھا۔

حنان کی اپنی دنیا تھی مگر اس کے باوجود وہ حوریہ کے وجود سے لاعلم نہیں تھا۔ امی کی فکر کرتی گھر کے چھوٹے چھوٹے کاموں میں مصروف اپنی اس بے ضرر سی کزن سے حنان کو ہمدردی تھی پھر امی بھی اسے بہت چاہتی تھیں۔ اسے اپنے گھر لانے کے بعد انہوں نے سوچ لیا تھا کہ حوریہ کو اپنی بہو بنانا ہے۔ اپنی اس خواہش کا اظہار انہوں نے کسی کے سامنے نہیں کیا تھا کہ مبادا وہ یہ بات کردیں اور کل حنان وقت آنے پہ بدل جائے تو حوریہ کا دل برا ہو۔

اپنے خوابوں اور خواہشوں کو عملی جامہ پہنانے سے پہلے ہی قضا نے آ دبوچا کہ سب خواب ہی بکھر کے رہ گئے۔

☆ ☆ ☆

پھوپھو کی وفات کو تین ماہ گزر چکے تھے اور حنان بہت چپ چپ رہنے لگا تھا۔ حوریہ کا دل جانے کیوں کٹ سا جاتا تھا۔ شاید زہرا بیگم کی وفات کا سب سے زیادہ اثر اسی نے لیا تھا۔ ان کی موت کے بعد گھر کی زندگی آہستہ آہستہ معمول پہ آگئی تھی مگر حنان کی خاموشی ٹوٹ کر ہی نہیں دے رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

رات کا کھانا کھایا جا رہا تھا۔ ساتھ باتیں بھی ہو رہی تھیں باتوں کے دوران عافیہ نے حنان سے کہا کہ کل وہ بھی ساتھ چلے اور منگنی کا جوڑا خود پسند کرے۔ حوریہ کے چہرے پر رنگ آگیا۔ حنان کی نظر بلا ارادہ اس کی طرف اٹھی تھی۔

"نتاشا کو تم خود ہی پک کرلینا۔ جس نے استعمال کرنا ہے پہننا ہے اس کی رضامندی بھی لازمی ہے ناں۔ ویسے بھی نتاشا اپنی پسند و ناپسند کے معاملے میں بہت حساس ہے۔"

عافیہ سراسر حوریہ کو سنا رہی تھی۔ پہلے تو اس کی سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ اس سارے قصے میں نتاشا کا کیا ذکر ہے اور جب سمجھ میں آیا تو اسے اندرونی اذیت پہ قابو پانا مشکل ہو گیا۔ وہ وہاں سے اٹھ آئی۔

عافیہ کی طنزیہ نگاہوں نے اس کے جاتے قدموں کا پیچھا کیا۔ حنان سر جھکائے پوری طرح کھانے کی طرف متوجہ تھا۔

☆ ☆ ☆

درد ہوتے ہیں کہیں دل میں چھپانے کے لیے
سب کے سب آنسو نہیں ہوتے بہانے کے لیے

کوئی غم ہو کوئی دکھ ہو درد کوئی ہو
مسکرانا پڑ ہی جاتا ہے زمانے کے لیے

ملائکہ، اس کی سب سے قریبی دوست، اس کی غمگسار اس وقت اگر اس کا دکھ نہ بانٹتی تو وہ بری طرح بکھر جاتی۔

"اپنے آپ کو سنبھالو پلیز۔ اس میں اوپر والے کی کوئی مصلحت ہوگی۔ تم خود کو سنبھالو اور ان کی خوشیوں میں شریک ہو۔ اچھا ہوا جو تمہارے کزن کی ناپسندیدگی پہلے ہی ظاہر ہوگئی ورنہ بعد میں تم کیا کرتیں......؟ اللہ نے تمہارے نصیب میں جو خوشیاں لکھی ہیں وہ تمہیں مل کر رہیں گی، تمہارا ایمان اتنا مضبوط تھا تقدیر اور جزا سزا کے فلسفے پہ۔ پھر یہ ناامیدی، یہ ناشکری کیا معنی رکھتی ہے؟"

ملائکہ نے اس کے دکھتے دل پہ تسلی کا مرہم کیا رکھا کہ اس کے بہتے آنسو تھمنے لگے۔

ملائکہ سے اس کی دوستی دس گیارہ سال پرانی تھی۔ وہ چوہدری شیر داد کی بیٹی تھی۔ ابو کے بہت قریبی دوست کی بیٹی۔ ایک بار گاؤں کی سیر کے لیے آئی تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے صاف دل اور معصوم سی حوریہ کی

گرویدہ ہو کر رہ گئی۔

وہ بیاہ کر اپنے شوہر کے ساتھ فرانس چلی گئی تھی مگر ان دونوں کی دوستی اور محبت میں یہ دوری اثر انداز نہیں ہوئی تھی۔ ملائکہ اب بھی اسے فون کرتی۔ اس کی دوستی پہ حوریہ کو بہت ناز تھا۔ ہر پریشانی میں وہ اسے سب سے پہلے یاد آتی۔ یہ اسی محبت کا کرشمہ تھا کہ اس نے حوریہ کی روئی روئی آواز کو اتنے دور بیٹھے ہوئے بھی محسوس کرلیا تھا۔ حوریہ کو نہ چاہتے ہوئے بھی اسے سب بتانا پڑا۔ ملائکہ اس کے دکھ پہ اداس تھی مگر اسے حوصلہ دے رہی تھی۔

پھوپھو نے اسے بے پناہ محبت دی تھی۔ یہ ان کی محبت کی انتہا تھی کہ وہ اسے بیٹی بنا کر گھر میں رکھنا چاہتی تھیں۔ اسے حنان سے کوئی فلمی یا افسانوی قسم کی محبت تو نہیں تھی مگر پھوپھو کی خواہش کے اظہار کے بعد اس کے دل میں بھی چاہت کے ننھے خودرو پودے نے سر اٹھانا شروع کر دیا تھا۔ صد شکر کہ وہ تناور درخت نہیں بنا تھا مگر اذیت تو ہوتی ہے۔ ٹھکرائے جانے کی، انکار کی اور وہ اسی اذیت سے گزر رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

حیدر، بیوی کے سامنے ایک لفظ نہیں بول سکا اور حنان کی منگنی بڑی دھوم دھام کے ساتھ نتاشا کے ساتھ ہوگئی۔ اسے بھی اپنی ماں کی خواہش کا علم تھا۔ انجان تو حنان بھی نہیں تھا۔ مگر عافیہ نے اس کے سامنے حوریہ کی گزشتہ زندگی کی نحوست کی ایسی تصویر کشی کی، اس کی اور حوریہ کی عمر کے معمولی سے فرق کو یوں بڑھا چڑھا کر خامی میں بدلا کہ حنان کو اپنی راہ نجات نتاشا کی صورت میں نظر آنے لگی۔

نتاشا تھی بھی خوب صورت، طرح دار، شوخ مزاج اور کم عمر۔ اس پر حنان کو متوجہ کرنے کی کوششیں اور وہ اپنا دامن بچا بھی نہیں پایا۔

دونوں طرف سے شادی کی شاپنگ عافیہ ہی کر رہی تھی۔ اس نے حوریہ سے کسی قسم کی معذرت کی بھی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ اور یہ سب کتنا تکلیف دہ تھا اس کے لیے وہی جانتی تھی۔

☆ ☆ ☆

ڈاکٹر آفتاب، حیدر اور عافیہ کے پاس زہرا بیگم کی تعزیت کرنے آئے تھے۔ عافیہ اور حیدر بہت خوش تھے کہ ڈاکٹر آفتاب ان کے گھر آئے ہیں۔ حوریہ اپنے کمرے میں لیٹی تھی ڈرائنگ روم سے آوازیں آرہی تھیں مگر وہ اٹھ کر نہیں گئی۔

اگلے روز عافیہ کے سر میں شدید درد تھا۔ وہ سیدھی ڈاکٹر آفتاب کے پاس پہنچ گئی۔

حیرت انگیز طور پہ کچھ دیر بعد ہی اس کے سر کا درد کم ہوتے ہوتے ختم ہو گیا۔ احتیاطاً" ڈاکٹر آفتاب نے اس کے کچھ ٹیسٹ لیے۔ رپورٹ دیکھ کر ان کے چہرے پہ پریشانی سی آگئی۔

"آپ کا دل کچھ ٹھیک کام نہیں کر رہا ہے اور میگرین بھی ہے۔ لیکن یہ میں اپنے کلینک سے ہی کچھ میڈیسن دے رہا ہوں، یہ آپ نے ایک ماہ کھانے کے بعد دوبارہ آنا ہے میرے پاس۔ نئے سرے سے آپ کے ٹیسٹ ہوں گے۔ پھر دیکھیں گے۔ آپ کتنا امپروو کرتی ہیں۔ آپ کے گھر میں جو ماں جی کے بھائی کی بیٹی رہتی تھی وہ کیسی ہے؟"

انہوں نے اچانک حوریہ کے بارے میں پوچھ لیا۔ یہ تو عافیہ کا پسندیدہ موضوع تھا جس پہ وہ گھنٹوں بول سکتی تھی۔

"بس نہ پوچھیں۔ ہم سب بہت پریشان ہیں اس کے بارے میں۔ میری تو نیند ہی اڑی ہوئی ہے اس کی وجہ سے۔ کوئی اچھا رشتہ ملے تو شادی کردوں اس کی۔ آنٹی بھی جب تک زندہ رہیں، اسی کی فکر میں گھلتی رہیں۔ اب ہمارا بھی یہی حال ہے۔" اس نے دنیا بھر کا درد لہجے میں سمو لیا تھا۔

"کیوں اتنی فکر کرتی ہیں، اچھے گھرانے سے تعلق رکھنے والی لڑکیوں کو جلد یا بدیر اچھے رشتے مل ہی جاتے ہیں۔"

"بات تو آپ کی ٹھیک ہے مگر لڑکے والوں کے

نخرے بہت بڑھ گئے ہیں۔ پھر حوریہ کے ساتھ بہت نو عمری میں جو ٹریجڈی ہوئی' اس کی وجہ سے کوئی اچھا رشتہ ملتا ہی نہیں ہے۔"

"میں پوچھ سکتا ہوں کہ کیا ٹریجڈی ہوئی ان کے ساتھ ؟" وہ پوری طرح عافیہ کی سمت متوجہ ہو گئے تھے۔

عافیہ آہستہ آہستہ بتانے لگی۔ بات کے اختتام پر ڈاکٹر آفتاب یکدم خاموش سے ہو گئے۔

"مجھے یقین نہیں آرہا کہ اس بچی کے ساتھ یہ سب ہوا ہے۔ بہرحال اس میں بھی اللہ کی کوئی مصلحت ہو گی۔ اب آپ نے کیا سوچا ہے ان کے بارے میں ؟"

"ہم نے کیا سوچنا ہے کسی کنوارے لڑکے کا رشتہ ملنا تو محال ہے کیونکہ جو سنتا ہے واپس نہیں آتا۔" عافیہ نے دھڑلے سے جھوٹ بولا تو ان کی فراخ پیشانی پہ شکنیں سی پڑ گئیں۔

"میں اگر اپنے لیے حوریہ صاحبہ کا رشتہ طلب کروں تو آپ کا کیا جواب ہو گا؟" اس گستاخی کے لیے معذرت چاہتا ہوں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ میں عمر کے اس حصے میں ہوں کہ اب یہ معاملات خود طے کر سکتا ہوں۔"

عافیہ پہ تو شادیٔ مرگ کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ ڈاکٹر آفتاب نے یہ سب کہا ہے۔

"میں اسے اپنی خوش قسمتی سمجھوں گی۔"

"میں باقاعدہ طور پہ اپنے چھوٹے بھائی کے ساتھ آؤں گا آپ کے گھر۔ بہت سی باتیں آپ کو بتانی ہیں جن سے آگاہ ہونا آپ لوگوں کا بہت ضروری ہے پھر حوریہ صاحبہ کی مرضی بھی معلوم کرنی ہے آپ نے۔"

وہ بہت ٹھہر ٹھہر کر بول رہے تھے اور عافیہ سر ہلا رہی تھی۔ بہت عجیب سا سحر تھا ان کی ذات میں۔ ان کے ٹرانس سے نکلنا بہت مشکل تھا۔

"حوریہ بہت خوش قسمت ہے۔ پہلے حنان اور اب یہ ڈاکٹر آفتاب کا رشتہ......" عافیہ گھر پہنچنے تک یہی سوچتی آئی۔

☆ ☆ ☆

اس کا ارادہ تھا وہ حیدر کو آرام سے بتائے گی مگر اس کی نوبت نہیں آئی۔ دوسرے روز ڈاکٹر آفتاب خود ان کے گھر پہنچ گئے۔

حیدر اور حنان دونوں ہی گھر پہ تھے۔

ڈاکٹر آفتاب اکیلے ہی آئے تھے۔

جب انہوں نے مدعا بیان کیا تو حیدر چند ثانیہ کے لیے حیران سا ہو گیا مگر عافیہ کی نگاہوں نے خاموش رہنے کا پیغام دیا تو وہ ڈھیلا سا پڑ گیا۔

عافیہ تسلسل بول رہی تھی۔ ڈاکٹر آفتاب نے اپنی لائف ہسٹری کھول کر ان کے سامنے رکھ دی۔

"میں ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہوا۔ ابھی میٹرک میں ہی تھا کہ گھر والوں نے مجھ سے پندرہ سال بڑی کزن سے رشتہ طے کر دیا۔ خیر خاندان والوں کی عزت کی خاطر میں نے سر جھکا دیا۔ پھر آرمی میں کمیشن مل گیا۔ میں نے تعلیمی سلسلہ جاری رکھا۔ اس سلسلے میں میں نے امریکہ' فرانس اور اٹلی کا سفر بھی کیا۔ میری خدمات کے صلے میں امریکہ نے مجھے اعزازی ڈگری دی۔ میں نے کچھ عرصہ سعودیہ اور دبئی میں بھی جاب کی۔ اللہ نے بہت عزت اور شہرت دی۔ قریب المرگ مریض بھی میرے پاس آکر ٹھیک ہو جاتے۔ میرے پاس محنت کی جو کمائی تھی اس سے میں نے یہ ہاسپٹل اور بے سہارا عورتوں بچوں کے لیے ایک ادارہ قائم کر دیا۔

لیکن میری گھریلو زندگی بہت ڈسٹرب رہی۔ تین بچے ہوئے جو سراسر میری ذمہ داری تھے کیونکہ ان کی ماں کو کوئی پروا نہیں تھی۔ پھر اس نے مجھ سے طلاق لے لی۔ تو میں نے بچوں کے لیے ماں باپ دونوں کا رول کیا۔ بیٹی اور بیٹا دونوں ڈاکٹر ہیں۔ چھوٹی بیٹی کو بھی سماجی کاموں سے لگاؤ ہے' اس نے میری این جی او اور ادارے کا نظام سنبھالا ہوا ہے۔ میرے تینوں بچے' بہت نیک اور انسانیت کے جذبے سے سرشار ہیں۔ وہ مجھ سے کہتے ہیں کہ میں شادی کر لوں۔ کنواری لڑکیوں

کے والدین تک نے اپنی بیٹیوں کے رشتے پیش کیے مگر نہ جانے کیوں آپ لوگوں سے اپنائیت سی محسوس ہوئی۔ پھر حوریہ صاحبہ کی زندگی میں جو ٹریجڈی ہوئی' ایسی صورت میں انہیں سہارا دینا عین ثواب کا کام ہے۔ میں نے ہاسپٹل میں انہیں آپ کی ماں جی کا خیال رکھتے دیکھا' حوریہ صاحبہ کے دل میں بھی انسانی فلاح کا جذبہ موجود ہے۔ انہیں ایک سہارے کی ضرورت ہے اور مجھے اپنے بعد اپنے ہاسپٹل اور مشن کو زندہ رکھنے کے لیے تازہ خون اور جوش و جذبے کی ضرورت ہے اور یہ ضرورت حوریہ صاحبہ بخوبی پوری کر سکتی ہیں۔ آپ کو پورا وقت دیتا ہوں۔ میرے بارے میں ہر طرح سے اپنا اطمینان کرلیں تو مجھے آگاہ کرد یجیے گا۔ میں حاضر ہو جاؤں گا۔"

ڈاکٹر آفتاب کا ایک ایک لفظ متاثر کن تھا۔ وہ تینوں سحر زدہ سے خاموش تھے صرف وہی بول رہے تھے۔

ڈاکٹر آفتاب کے جانے کے بعد بھی ان کے الفاظ اور احساس کی مہک جیسے فضا میں رچی بسی تھی۔

ساری باتیں ٹھیک تھیں مگر نہ جانے کیوں حنان کو یہ سلسلہ پسند نہیں آیا تھا۔ ڈاکٹر آفتاب کی پرسنالٹی متاثر کن تھی۔ ان کا نام تھا' مقدس پیشے سے وابستہ تھے۔ انہیں کسی قسم کا کوئی لالچ نہیں تھا۔ ان کے مقابلے میں حوریہ ایک عام سی لڑکی ہی تو تھی' جس کے لیے اگر یہ رشتہ آیا تھا تو یقیناً" اس کی خوش قسمتی میں کلام نہیں تھا۔ مگر ڈاکٹر آفتاب کی عمر اچھی خاصی تھی' آرمی سے بحیثیت بریگیڈیر وہ ریٹائرڈ ہوئے تھے اور چون سال کے تھے گو دیکھنے میں وہ صرف چالیس سال کے نظر آتے تھے مگر اپنی عمر انہوں نے خود بتائی تھی کہ وہ چون سال کے ہیں۔ یہ بھی ان کی صاف نیت کا ثبوت تھا کیونکہ کوئی بھی دیکھنے والا انہیں چون سال کا نہیں کہہ سکتا تھا۔ ان کے تین جوان بچے تھے۔ ڈاکٹر آفتاب کی سب سے چھوٹی بیٹی حوریہ کی ہم عمر ہی تھی۔

بس یہی بات حنان کو پریشان کر رہی تھی۔ مرحیدر بھائی اور عافیہ کو ایسی کوئی پریشانی نہیں تھی۔ کیونکہ

عافیہ نے حنان کے اعتراض کے جواب میں صاف کہہ دیا کہ حوریہ اب کوئی سولہ سال کی بچی نہیں ہے جس کے لیے بیس سال کے لڑکے کا رشتہ آئے گا انیس کی ہونے والی ہے وہ' پھر نوجوانی میں جو داغ لگا اس کی وجہ سے کوئی کنوارا لڑکا شادی نہیں کرے گا اس سے۔ شکر کرو کہ ڈاکٹر آفتاب نے سب پوچھ جاننے کے بعد بھی کوئی اعتراض یا ناپسندیدگی ظاہر نہیں کی۔ ورنہ اس جیسے شخص کو لڑکیوں کی کمی نہیں ہے جو چالیس چالیس لاکھ کی گاڑیوں میں گھومتا ہے۔ وہ تو انسانیت کے نقطہ نگاہ سے حوریہ سے شادی کر رہا ہے۔ تم خود بتاؤ جب سے وہ یہاں آئی ہے' مطلب آنٹی جب سے اسے یہاں لے کر آئی ہیں کوئی ایک بھی رشتہ آیا؟"

اس سوال کا حنان کے پاس جواب نہیں تھا سو وہ چپ ہو گیا۔ دل سے وہ بھی بھابھی کے خیالات و دلائل سے قائل ہو چکا تھا۔

"ٹھیک ہے بھابھی! آپ ڈاکٹر آفتاب سے کہیں کہ اس کام میں دیر مناسب نہیں ہے۔"

عافیہ خوش ہو گئی۔ شکر ہے حنان کو عقل آگئی تھی۔ ایک گھر میں رہتے بستے لگاؤ ہو ہی جاتا ہے پھر حوریہ تھی بھی نرم دل اور بے ضرر سی۔ حنان کو اپنی اس کزن سے ہمدردی تھی جو بھابھی کی لاکھ کوششوں کے باوجود ختم نہیں ہو رہی تھی۔ اوپر سے حوریہ کی خاموشی نے اس کے احساس جرم کو بڑھا سا دیا تھا۔ وہ چاہتا تھا۔ اس کی شادی سے پہلے حوریہ' ڈاکٹر آفتاب کے ساتھ رخصت ہو جائے۔

☼ ☼ ☼

حوریہ' عافیہ کو حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ عافیہ اپنی بات مکمل کر کے اس کے تاثرات جانچ رہی تھی۔ جو ڈاکٹر آفتاب کے پروپوزل کا سن کر عجیب سے ہو گئے تھے۔

"دیکھو حوریہ! ہم سب تمہارا بھلا چاہتے ہیں۔ آنٹی کی اپنی سوچ تھی اور حنان کی اپنی۔ اسے شوخ مزاج لڑکیاں پسند ہیں اور تمہارے علم میں شاید یہ بات

نہیں ہے کہ وہ شروع سے ہی نتاشا کو پسند کرتا ہے۔ اس لیے جب پھوپھو نے اس کے سامنے تمہارا نام لیا تو اس نے مجھ سے آکر کہا کہ بھابھی میں نتاشا کے سوا کسی کا تصور تک نہیں کر سکتا۔ آج کل کے لڑکوں کا تمہیں پتہ ہی ہے۔ زور زبردستی کا نتیجہ اچھا نہیں ہوتا سو حیدر نے بھی کہا کہ زندگی تو حنان نے گزارنی ہے' اس کی مرضی پہ چھوڑ دو۔ اب تم خود دیکھ لو۔ حنان منگنی کے بعد کتنا خوش ہے۔ معاف کرنا میں حقیقت پسند ہوں۔ تمہاری عمر انیس سال سے زیادہ ہو چکی ہے پھر تمہارے ساتھ جو ٹریجڈی ہوئی اس کی وجہ سے اب شاید ہی کسی لڑکے کے ساتھ تمہاری شادی ہو۔ لڑکے' ماڈرن' طرح دار اور خوب صورت لڑکیوں کو پسند کرتے ہیں ہر داغ سے پاک۔ ڈاکٹر آفتاب نے بڑے چاؤ سے تمہارا رشتہ مانگا ہے۔ میں تو کہتی ہوں کہ آنکھیں بند کر کے ہاں کر دو ٹھیک ہے ڈاکٹر آفتاب کی عمر کچھ زیادہ ہے مگر تم بھی کم عمر نہیں ہو۔ ان حالات میں یہ رشتہ غنیمت ہے۔"

ان کی "حقیقت پسندی" عروج پہ پہنچی ہوئی تھی۔

حوریہ نے اپنے سارے آنسو اندر اتار لیے ورنہ عافیہ بھابھی کی بے رحم سچائی نے اسے اندر تک زخمی کر ڈالا تھا۔

انہوں نے ایک تیر سے کئی شکار کر لیے تھے۔ حنان اور نتاشا کی پوزیشن بھی کلیئر کر ڈالی تھی۔ اور اس کی عمر اور شکل و صورت کو بھی نشانہ بنا ڈالا تھا ڈاکٹر آفتاب کے قصیدے بھی پڑھ ڈالے۔

☼ ☼ ☼

کتنی رات گزر گئی تھی مگر نیند آکے نہیں دے رہی تھی۔ اس نے لائٹ جلا کر پانی پیا اور پھر نہ جانے کیوں آئینے کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

"لڑکے خوب صورت' طرح دار اور ماڈرن لڑکیوں کو پسند کرتے ہیں۔" عافیہ جیسے دوبارہ اس کے کان میں بولی تھی۔ اس کی نگاہیں آئینے میں نظر آتے اپنے

عکس پہ جمی تھیں۔ لمبے بالوں کی کس کر باندھی چوٹی' پورے بازوؤں والی قمیص جس میں فٹنگ کا خاص خیال نہیں رکھا گیا تھا۔ ڈھیلی ڈھالی شرٹ میں اس کے جسمانی خطوط اور متناسب بدن کا پتہ ہی نہیں چل رہا تھا۔ نیل پالش سے بے نیاز ناخن' چوڑیوں سے خالی کلائیاں' ناک' گردن' کان کسی بھی قسم کے زیور سے بے نیاز' یہ تھی حوریہ شجاعت ایک عام سی لڑکی جس کی عمر انیس سال سے زیادہ ہو گئی تھی۔ تقدیر کی مہربانی سے ایک داغ بھی لگ گیا تھا۔ سو اب ڈاکٹر آفتاب نے اسے پروپوز کر کے اس کی ذات پہ احسان کیا تھا۔

آئینے میں اپنے تھکے تھکے پژمردہ عکس کو دیکھتے دیکھتے اس کے نین کٹورے لبالب بھر گئے۔

نہ صورت ہے میری ایسی کہ ہو جائے کوئی پاگل
نہ آنکھیں ہیں گہری جھیلیں نہ زلفیں گھنا جنگل
صاحب دل جو ملا ہمیں وہ تھا دیوانہ تیرا
تجھ میں ایسا کیا ہے کہ ہوا سارا زمانہ تیرا

جانے کب کی پڑھی ایک نظم کے چند مصرعے یاد آئے تو عافیہ بھابھی کے تلخ جملوں کی سنگینی کا بڑی شدت سے احساس ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

عافیہ اور حیدر نے ڈاکٹر آفتاب کو کل اس کے بھائی سمیت کھانے پہ انوائیٹ کیا تھا۔ اسی سلسلے میں وہ ڈاکٹر آفتاب ہی کی طرف گئے ہوئے تھے۔ حنان بھی گھر پہ نہیں تھا۔

حوریہ کی آنکھوں کے سامنے گزشتہ زندگی کے منظر گھوم رہے تھے جب وہ گاؤں میں ابوجی کے ساتھ رہتی تھی۔

گھر میں پھیلے سناٹے اسے اندر تک اترتے محسوس ہو رہے تھے۔ آج کل عافیہ زور و شور سے ڈاکٹر آفتاب کے رشتے کو فائنل کرنے کے چکر میں تھیں۔ ٹی وی آن تھا مگر اس کا ذہن کہیں اور پہنچا ہوا تھا اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ رہے تھے۔ جب مین گیٹ کی بیل

ایک تواتر سے بجنے لگی۔

وہ چونک کر حال کی دنیا میں آئی۔ اور الٹے ہاتھ سے آنکھیں بے دردی سے رگڑیں شاید حنان بھائی ہیں۔" صوفے پر پڑا دوپٹہ اٹھا کر اس نے سر اور جسم کے گرد لپیٹا اور باہر گیٹ کی طرف آئی۔ چوکیدار چھٹی لے کر گاؤں گیا ہوا تھا سو گیٹ کھولنے کا کام اکثر و بیشتر اسے ہی سرانجام دینا پڑ رہا تھا۔

گیٹ کے سوراخوں سے بلیک کلر کی گاڑی نظر آ رہی تھی۔ مگر ڈرائیونگ سیٹ پہ اجنبی سی صورت براجمان تھی۔

حوریہ نے دوپٹہ اچھی طرح منہ اور سر کے گرد لپیٹا اب صرف اس کی آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔

اس نے گیٹ کھول دیا۔ وہ جو کوئی بھی تھا ڈرائیونگ سیٹ سے اتر کر نیچے آ گیا۔

"السلام علیکم، حنان گھر پہ ہے؟ میں اس کا دوست شیر افگن ہوں۔" نو وارد نے تعارف کرایا۔

"مگر وہ تو گھر پہ نہیں ہیں۔"

"مجھ سے اس نے کہا تھا کہ شام کو گھر پہنچ جاؤں اور خود وہ غائب ہے۔" ساتھ ہی اس نے رسٹ واچ پہ ٹائم دیکھا۔

"حنان بھائی گھر پہ نہیں ہیں۔" اس نے دوبارہ زور دے کر کہا۔ تو تب پہلی بار شیر افگن نے اس کی طرف دیکھا۔ پتہ نہیں حنان کی کیا لگتی تھی یہ لڑکی۔ نہ جانے کیوں اسے لگا اس کی آواز رندھی ہوئی تھی۔ ابھی وہ واپسی کا قصد کر ہی رہا تھا کہ حنان کی گاڑی کا مخصوص ہارن سنائی دیا جو اس نے شیر افگن کی گاڑی کو دیکھ کر بجایا تھا۔ سڑک پہ مڑتے ہی دور سے اس نے اپنے گیٹ کے آگے شیر افگن کی گاڑی کو دیکھ لیا تھا۔

حنان اسے اندر لے گیا۔

حوریہ کچن میں آ گئی، حنان نے اپنے دوست کی خاطر مدارات کے لیے بڑی لجاجت سے کہا تھا۔

پہلے اس نے کولڈ ڈرنکس اور مینگو شیک اندر بھجوایا اور پھر چائے کے ساتھ دیگر لوازمات تیار کرنے لگی۔

شیر افگن حنان کا بہت قریبی دوست تھا۔ دونوں نے اکٹھے انجینئرنگ کی تھی۔ انجینئرنگ کرنے کے بعد شیر افگن اپنی فیملی کے پاس انگلینڈ چلا گیا تھا۔ اس کے مما پپا اور دو بھائی وہیں مقیم تھے۔ یہاں پاکستان میں اس کی ننھیال اور دودھیال تھی۔

شیر افگن کے والد نوجوانی میں ہی انگلینڈ چلے گئے تھے۔ شادی ہوئی تو بیوی کو بھی وہیں بلوا لیا۔ وہاں ان کا بزنس بہت اچھے طریقے سے سیٹ تھا۔ شیر افگن پاکستان آتا جاتا رہتا تھا۔ دادا جان کو بھی اسے بے حد لگاؤ تھا۔ کچھ عرصہ گزرتے ہی انہیں اس کی یاد ستانے لگتی۔ اپنے بڑے بیٹے کی ناگہانی موت کے بعد وہ بکھر گئے تھے۔ ان کی ذہنی کیفیت کو دیکھتے ہوئے اس نے انجینئرنگ پاکستان سے ہی کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس دوران حنان سے اس کی دوستی کا آغاز ہوا جو اب بہت گہرے لگاؤ اور خلوص میں بدل گئی تھی۔

چائے بن گئی تھی۔ حوریہ دیگر لوازمات ٹرالی میں سجا کر ڈرائنگ روم کے دروازے پر دستک دے رہی تھی۔

حنان اٹھ کر باہر آیا اور ٹرالی اندر لے گیا۔

حوریہ اس کے دوستوں یا دیگر اجنبی مردوں کے سامنے نہیں آتی تھی۔ وہ شرعی پردہ کرتی تھی اور سختی سے کاربند بھی اس پہ۔

حنان نے چائے خود سرو کی اور کباب کی پلیٹ اس کی طرف بڑھائی۔

"کھاؤ، بہت مزے دار ہیں۔ میری کزن نے بنائے ہیں۔"

حنان نے خود بھی سب سے پہلے کبابوں پر ہی ہاتھ صاف کیا۔

"تمہاری یہ کزن؟ تم نے پہلے کبھی ذکر نہیں کیا۔"

"ہاں یار! کبھی اس کا موقع ہی نہیں آیا۔ تم بھی تو چار ماہ انگلینڈ اور پندرہ دن پاکستان گزارتے تھے۔ خیر یہ میرے ماموں کی اکلوتی بیٹی ہے اور ہمارے پاس ہی رہتی ہے بے چاری کے پیرنٹس نہیں ہیں۔" حنان نے لفظ بے چاری پہ زور دے کر کہا۔

وہ باتیں کر رہے تھے۔ دنیا جہاں کے قصے چھڑے ہوئے تھے پھر حیدر بھائی اور عافیہ بھی چلے آئے۔ وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔

حیدر نے رات کا کھانا کھائے بغیر اسے جانے نہیں دیا۔

کھانے کے بعد حنان اسے گاڑی تک چھوڑنے آیا۔ حوریہ بجری کی روش کے ساتھ ساتھ بنے لان میں ٹہل رہی تھی۔

شیر افگن کے باہر آنے پہ اس نے دوپٹے سے منہ چھپا کر رخ موڑ لیا تھا۔ شیر افگن کی اچٹتی سی نظر پڑی تھی جسے اس نے فوراً" ہی موڑ لیا تھا۔

"بے چاری حنان کی کزن۔" اس نے افسوس سے سوچا اور گاڑی اسٹارٹ کر کے وہاں سے نکل آیا۔

☼ ☼ ☼

"حیدر کہہ رہے ہیں۔ چائے تیار ہونے کے بعد ڈرائنگ روم میں آ جاؤ اور ہاں تمہارا پنک سوٹ میں نے نکال کر بیڈ پر رکھ دیا ہے، وہی پہن کر آنا اور دوپٹہ ماتھے تک لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ انہوں نے باقاعدہ طور پر تمہارا رشتہ مانگا ہے سو تمہیں دیکھنا ان کا حق بنتا ہے۔" عافیہ اس کی پشت پہ کھڑی گزشتہ پندرہ منٹ سے بول رہی تھی۔ حوریہ خاموشی سے سنتی رہی۔ اس کی طرف سے مسلسل خاموشی پا کر وہ جھنجلا سی اٹھی۔

"حوریہ! میں تم سے کہہ رہی ہوں اگر تم راضی نہیں ہو تو میں منع کر دیتی ہوں ان لوگوں کو۔"

"نہیں بھابھی! ایسا مت کیجئے گا۔ میں راضی ہوں۔"

وہ جھٹکے سے مڑی اور پہلی بار ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

"میری قسمت میں ایسے ہی رشتے لکھے ہیں تو ڈاکٹر آفتاب میں کیا برائی ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"حوریہ! تم ناشکری کرتی ہو ایسے رشتے سے کیا مطلب ہے تمہارا۔ شکر کرو پروردگار کا۔"

"ٹھیک ہے بھابھی! میں آتی ہوں ڈرائنگ روم میں۔" اس کی سعادت مندی سے مطمئن ہو کر عافیہ دوبارہ ڈرائنگ روم میں چلی گئی۔

کچھ دیر بعد جب وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو یہ محسوس کیے بنا رہ نہ سکی کہ ڈاکٹر آفتاب اور ان کے بھائی کی نظریں اس پہ جم سی گئی ہیں۔ پنک کپڑوں میں ملبوس وہ خود کو تو عام سی ہی لگ رہی تھی مگر ان دونوں اشخاص کی نظریں کچھ اور کہہ رہی تھیں۔

"بسم اللہ آئیے۔" ڈاکٹر آفتاب اس کی آمد پہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ لہجے میں وہی مخصوص مشفقانہ پن تھا جو ان کی شخصیت کا خاصا تھا۔ وہ سر جھکائے پاس پڑے صوفے پہ ٹک گئی۔ ڈاکٹر آفتاب کی نگاہوں سے اس کے لیے پسندیدگی عیاں تھی۔ پنک کپڑوں میں اس کی صاف رنگت دمک سی رہی تھی۔ تیکھے نقوش سمیت گہری سوفی یا دای آنکھیں خاصی متاثر کن تھیں۔ ڈاکٹر آفتاب اسے دیکھنے کے بعد کتنے مطمئن تھے، یہ کوئی ان کے دل سے پوچھتا۔

"اور کیسی ہیں حوریہ بی بی آپ۔ کیا مصروفیت ہیں آپ کی؟" ڈاکٹر آفتاب کا چھوٹا بھائی اس سے مخاطب ہوا۔

"میں ٹھیک ہوں اور کوئی خاص مصروفیات نہیں ہیں۔ گھر پہ ہی ہوتی ہوں۔" اسے جواب دینے میں خاصی مشکل پیش آئی۔

جواباً" انہوں نے اسے بڑی گہری نگاہ سے دیکھا۔

"عافیہ بھابھی نے بتایا ہے کہ آپ نے ماس کمیونیکیشن میں ایم اے کر رکھا ہے تو کہیں جاب کیجئے ناں۔ پرائیویٹ ٹی وی چینل پہ آپ آرام سے سیٹ ہو سکتی ہیں کیونکہ میڈیا آج کل بہت اسٹرانگ ہے۔ اپنی صلاحیتوں کو کام میں لائیے۔ اپنی تعلیم سے فائدہ اٹھائیے۔ اگر آپ راضی ہوں تو میں کسی بھی ٹی وی چینل پہ آپ کو جاب دلوا سکتا ہوں۔ بھائی جان خود بھی خاصی اپروچ رکھتے ہیں۔"

ڈاکٹر آفتاب کے بھائی کی لمبی چوڑی بات کے

جواب میں اس نے فقط سرہلانے پہ اکتفا کیا۔
کچھ دیر بعد وہ وہاں سے اٹھ آئی۔
جانے کیوں کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔
جاتے وقت ڈاکٹر آفتاب نے عافیہ سے حوریہ کا سیل نمبر لے کر نوٹ کر لیا تھا اور اس کے لیے انہوں نے باقاعدہ پہلے حیدر سے اجازت لی تھی۔
”میں نے حوریہ صاحبہ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ میں یہاں بھی کر سکتا تھا مگر شاید فیس ٹو فیس وہ نہ کر پائیں کیونکہ وہ روایتی سی مشرقی لڑکی کی طرح ہیں۔ میں چاہتا ہوں خود ان کی مرضی معلوم کروں اپنے بارے میں۔“
ان کے اس طرح بات کرنے سے حیدر کے دل میں ان کی عزت کئی گنا بڑھ گئی تھی۔ انہوں نے بخوشی حوریہ کا سیل نمبر نوٹ کروا دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

حوریہ سونے کی تیاری کر رہی تھی جب اس کا سیل گنگنایا۔
اس نے نمبر دیکھے بغیر آن کر لیا۔
”السلام علیکم!“
”وعلیکم السلام۔“ بڑے پرجوش طریقے سے سلام کا جواب دیا گیا۔ آواز اس کے لیے اجنبی تھی۔
”جی آپ کون؟“
”میں ڈاکٹر آفتاب بات کر رہا ہوں۔ اس وقت آپ کو ڈسٹرب کرنے پہ معذرت چاہتا ہوں مگر مجبوری ہے' فرصت کے لمحات کم کم ہی ملتے ہیں۔ میں اس وقت بھی ہاسپٹل میں ہوں۔ خوش قسمتی سے تھوڑی فرصت ملی ہے تو سوچا آپ سے بات کر لوں۔“
حوریہ کی نظر دیوار گیر کلاک کی طرف اٹھی جو بارہ کا ٹائم بتا رہی تھی۔ وہ متاثر سی ہو گئی۔ ”اپنے پیشے سے کتنا مخلص ہے ورنہ کس کو اتنی پروا ہوتی ہے مریضوں کی۔“ اس نے دل میں سوچا۔
ڈاکٹر آفتاب نے اس سے چھوٹے چھوٹے سوال پوچھے۔ اس کے والدین کے بارے میں' گاؤں کے بارے میں پھپھو اور ان کے گھر آمد کے بارے میں۔ وہ ٹھہر ٹھہر کے جواب دیتی گئی۔
”آپ کو بتاؤں کہ میں رائٹر بھی ہوں۔ میری کئی کتابیں منظر عام پہ آچکی ہیں۔ میں شاعری بھی کرتا ہوں۔ مگر میرے قلم سے اللہ کی تعریف کے سوا کچھ نکلتا ہی نہیں۔ میں نے رومینٹک شاعری نہیں کی کبھی نہ مجھے اس سے لگاؤ ہے لیکن کچھ دن پہلے ایک نظم پڑھی اور وہ اس وقت مجھے یاد آگئی ہے اگر آپ کی اجازت ہو تو سماعتوں کی نذر کروں؟ جانے کیوں آپ کی خاموشی کچھ بولتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔“
”جی جی سنائیے۔“ اب حوریہ کو بھی دلچسپی ہونے لگی تھی۔

تم معصوم سی بھولی بھالی سی
الجھی الجھی بے کل بے کل
گم صم گم صم سی رہتی ہو
تم کو باتیں کب آتی ہیں
لیکن جب کچھ کہنا چاہو
آنکھوں آنکھوں کہہ جاتی ہو
اور سب کچھ منوا لیتی ہو
اور یہ دنیا والے پاگل
ان کو کیسے میں سمجھاؤں
باہر سے چپ رہتی ہو پر اندر سے تم بول رہی ہو
اک دروازہ بند ہے لیکن سو دروازے کھول رہی ہو
بھولی بھالی لڑکی
اب جو کہنا مجھ سے کہنا اب جو سننا مجھ سے سننا
دنیا یوں ہی کہتی ہے تم کو باتیں کب آتی ہیں

ڈاکٹر آفتاب کا انداز بڑا دھیما سا تھا۔ حوریہ خاموش سی ہو گئی۔
”لگتا ہے یہ جس کسی نے بھی لکھی ہے آپ کے لیے لکھی ہے۔ میں آپ سے کل بات کروں گا۔ ابھی ایمرجنسی آگئی ہے۔ کچھ باتیں کرنا ہیں جن کا جاننا آپ کے لیے بہت ضروری ہے۔ اپنا خیال رکھیے گا اللہ حافظ۔“

ڈاکٹر آفتاب نے فون بند کر دیا۔ حوریہ کافی دیر ان کے بارے میں سوچتی رہی۔ پھر اس نے خود کو حالات کے دھارے پہ چھوڑ دیا۔ کم سے کم اب وہ بے سکون تو نہیں تھی۔

☼ ☼ ☼

عافیہ کے کچھ دنوں سے کمر میں درد تھا۔ میڈیسن لینے کے باوجود آرام نہیں آرہا تھا۔ حیدر سے اس نے ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر آفتاب کو چیک کرالو۔ بات اس کے دل کو لگی تھی۔ اس نے جانے کیا سوچ کر حوریہ سے بھی چلنے کو کہا مگر اس نے بڑے سلیقے سے انکار کر دیا۔
سو عافیہ اکیلی ہی گئی۔
ڈاکٹر آفتاب اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے سب کا حال احوال پوچھا آج تو حیدر بھی ساتھ تھے۔
”لگتا ہے آپ نے ہاں کے انتظار میں ہماری جوتیاں گھسا دینی ہیں۔“ ڈاکٹر آفتاب نے مسکراتے ہوئے بڑی لطیف سی چوٹ کی تو عافیہ ہنس پڑی۔
”آپ فکر نہ کریں' فیصلہ آپ کے حق میں ہی ہو گا۔“
”میں آپ سے کہہ رہا ہوں کہ میرے بارے میں ہر طرح کی تسلی کر لیں۔ چھان بین کروا لیں مگر یہ کام جلدی کریں تو اچھا ہے کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ بات پھیلے۔ آپ کو پتہ ہی ہے کہ نیکی کا زمانہ نہیں ہے۔ ایک بے سائبان لڑکی کو میں سہارا دوں گا تو کوئی بھی میرے اس جذبے کو قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھے گا۔ الٹا سب مجھے لعنت ملامت کریں گے کہ خود سے اتنی کم عمر لڑکی سے شادی کر لی ہے۔ میری پہلی بیوی نے اگرچہ طلاق لے لی ہے مگر اس موقعے پر وہ بھی مخالفت کریں گی اس لیے میں چاہتا ہوں کہ یہ کام جلدی ہو۔ ساتھ یہ کہ میں آدھا ہاسپٹل حوریہ صاحبہ کے نام کروانا چاہتا ہوں۔ وہ اس میں میری پارٹنر ہوں گی۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے مرنے کے بعد وہ میرے اس انسانی فلاح کے مشن کو جاری رکھیں۔ میری زندگی کا کیا بھروسا دو سال' چار سال زیادہ سے زیادہ دس سال اور جیوں گا اس کے بعد حوریہ صاحبہ نے ہی آفتاب فاؤنڈیشن کو جاری رکھنا ہے وہ میری وارث ہوں گی۔“
حسب معمول ڈاکٹر آفتاب بول رہے تھے اور وہ دونوں کسی سحرزدہ معمول کی طرح سن رہے تھے۔
”کتنا بے غرض اور بے ریا شخص ہے۔ فرشتہ ہے فرشتہ۔“
عافیہ اور حیدر دونوں کی سوچ اس مقام پر ڈاکٹر آفتاب کے بارے میں ایک جیسی تھی۔ ہر ملاقات میں وہ پہلے سے زیادہ متاثر ہو رہے تھے۔
ڈاکٹر آفتاب نے بڑی توجہ سے عافیہ کو چیک کیا کچھ ضروری ٹیسٹ کے لیے جن کی رپورٹ کچھ ایسی حوصلہ افزا نہیں تھی۔
”عافیہ بی بی! آپ کا جگر ٹھیک کام نہیں کر رہا ہے آپ کو میں دس دن ایڈمٹ کروں گا اس کے بعد آپ کی یہ پرابلم جڑ سے ختم ہو جائے گی۔ کیا خیال ہے آپ کا حیدر؟“
وہ سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھ رہے تھے اسے ہاں کرتے ہی بنی۔ کیونکہ وہ خود بھی پریشان تھا۔ عافیہ اس کی بیوی تھی' بچوں کی ماں تھی۔
”آپ فکر نہ کریں یہ بالکل ٹھیک ہو جائیں گی کیونکہ جہاں ایلوپیتھک طریقہ علاج ناکام ہوتا ہے' وہاں سے چائنیز طریقہ علاج شروع ہوتا ہے اور یہ میں اپنے جن مریضوں پہ آزمایا ہے اور اللہ کے فضل سے سب نے شفا پائی ہے۔“
ڈاکٹر آفتاب نے عافیہ کو روم میں شفٹ کر دیا۔ کمرے میں ٹی وی فون' اٹیچ باتھ روم کی سہولت موجود تھی۔ ہاسپٹل صاف ستھرا تھا۔ حیدر مطمئن تھا۔ اس نے ہاسپٹل سے ہی فون کیا گھر پہ اور بتایا کہ عافیہ ایڈمٹ ہو گئی ہے۔
عافیہ کے میکے والے پریشان ہو گئے۔ شام کو تاشا بڑے بھائی اور بھابھی کے ساتھ پہنچ گئی۔ حنان بھی آفس سے فری ہو کر ادھر آگیا۔

☼ ☼ ☼

حوریہ روز ہاسپٹل آتی اور آتے وقت عافیہ کے لیے کچھ نہ کچھ پرہیزی کھانا بنا کرلے آتی۔ جب سے عافیہ ایڈمٹ ہوئی تھی ڈاکٹر آفتاب کے چکر اس کے روم کی طرف زیادہ ہی بڑھ گئے تھے۔ خاص طور پہ جب حوریہ آتی تو تب ڈاکٹر آفتاب لازماً" عافیہ کی طبیعت کا پوچھنے آتے۔

حیدر اور عافیہ نے ابھی تک کھل کر ہاں نہیں کی تھی مگر ان کا رویہ حوصلہ شکن بھی نہیں تھا۔ سو ڈاکٹر آفتاب خوش تھے انہیں بات بنتی نظر آرہی تھی۔ اس دن واپسی پہ حوریہ کو ڈاکٹر آفتاب نے اپنے روم میں بلوایا۔ ڈاکٹر صاحب کی خوبرو سکریٹری نے اسے بڑی عجیب سی نظروں سے دیکھا۔ وہ اس کی طنزیہ نظروں سے الجھتی اندر چلی گئی۔

ڈاکٹر آفتاب نے دیوار کے ساتھ رکھے صوفے پر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور ساتھ ہی انٹر کام پہ اندر دو چائے لانے کا آرڈر دیا۔

وہ ابھی تک سوالیہ نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"حوریہ بی بی! بہت بھولی ہیں آپ کچھ دن پہلے میں نے آپ سے کہا تھا کہ میرے بارے میں سوچ لیں، اسی سوال کا جواب حاصل کرنے کی خاطر میں نے آپ کو یہاں زحمت دی ہے۔" وہ مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"اگر قدرت کو یہی منظور ہے تو میں کیا کہہ سکتی ہوں۔"

"مطلب آپ کی طرف سے ہاں ہے؟؟"

"جی ہاں!" اس نے مختصراً" جواب دیا اور دیوار گیر الماری میں سجی کتابیں دیکھنے لگی۔ وہ بھی اس کی دلچسپی بھانپ گئے۔

"یہ کتابیں میرا اوڑھنا بچھونا ہیں۔ میں نے شہر سے ہٹ کر بہت خوب صورت گھر دیکھا ہے۔ تقریباً" ڈیڑھ کروڑ کا ہے اور بہت خوب صورت ہے میرا ارادہ ہے کہ شادی کے بعد ہم وہاں رہیں گے۔ میں وہ گھر آپ کے نام کر دوں گا۔ دوسرے میں نے جو گھر بے سہارا عورتوں اور یتیم بچوں کے لیے بنایا ہے۔ میں اس کے انتظامات بھی کلی طور پہ آپ کے سپرد کرنا چاہتا ہوں اور اس ہاسپٹل کی ذمہ داریاں بھی آپ کو سنبھالنی ہیں میں تھک گیا ہوں سات سال سے میں نے ایک دن بھی چھٹی نہیں کی ہے۔ دن رات کام کیا ہے ڈاکٹر آفتاب ایک انسان نہیں بلکہ مشین کا نام ہے۔

آپ کو پتہ ہے ہاسپٹل میں روزانہ تین سو لوگوں کے لیے کھانا پکتا ہے۔ اس ہاسپٹل میں میں نادار اور غریب لوگوں کا تقریباً" مفت علاج کرتا ہوں۔ لوگ دور دراز سے میرا نام اور شہرت سن کر میرے پاس آتے ہیں' انہیں کھانے پینے اور رہائش کا مسئلہ ہوتا ہے سو مریض کے ساتھ ہی جو تیمار دار ہوتا ہے اس کے لیے بھی ہم نے سونے اور رہنے کے ساتھ کھانے کی سہولت فری رکھی ہے اور اس مد میں کوئی پیسہ وصول نہیں کیا جاتا۔ اللہ دے رہا ہے سو سب کام چل رہا ہے۔ کھانا آپ نے دیکھا ہی ہو گا جو ہاسپٹل میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ کس معیار کا ہے۔ لوگ دعائیں دیتے ہیں مجھے۔ آپ کو بتاؤں کہ میرے پاس دو پیدائشی معذور بچے لائے گئے جو اس علاج کے متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔ میں نے ان بچوں کا ایک سال تک فری علاج کیا اور کوئی پیسہ نہیں لیا۔ خدا کی کرنی کہ وہ بچے صحت مند ہو گئے۔ ان کے ماں باپ مجھے دعا دیتے ہیں کہ میری بدولت وہ بچے آج صحت مند زندگی گزار رہے ہیں۔

میرے پاس ہر مریض کی کیس ہسٹری کا ریکارڈ ہے۔ صحت مند ہو کر جانے سے پہلے میں ان کے خیالات قلمبند کرواتا ہوں آپ پڑھیے گا' کیسے کیسے لوگ میرے پاس سے صحت مند ہو کر گئے ہیں۔

آپ بہت خوش قسمت ہیں جو میرے دل کو بھا گئی ہیں۔ ایک انس سا ہو گیا ہے آپ سے۔ یہ سوچ ذہن میں رکھ کر میرے پاس آیئے گا کہ آپ دنیا کے بہترین مرد کے پاس آرہی ہیں۔ مجھے آپ کے گھر والوں کی سمجھ نہیں آتی کہ مجھے فائنل جواب کیوں نہیں دے رہے ہیں۔ میرے بیٹے نے باہر جانا ہے اور وہ کہہ رہا ہے کہ پپا میں آپ کی شادی کی خوشی دیکھ کر جاؤں گا۔"

حسب معمول ڈاکٹر آفتاب بول رہے تھے اور وہ سن رہی تھی۔

ابھی نہ جانے وہ اور کیا کہتے کہ سیکریٹری دروازہ کھول کر اندر آئی اور بہت آہستہ آواز میں ان سے کچھ کہا جو حوریہ کی سمجھ میں نہیں آیا۔

"میں گھر جا رہا ہوں پھر آپ سے گپ شپ ہو گی۔ جانے سے پہلے میں آپ کی بھابھی کو دیکھ لوں۔ آپ بھی آیئے میرے ساتھ۔"

وہ بھابھی کے روم کی طرف بڑھ گئے۔

حوریہ جب ان کے پیچھے اندر داخل ہوئی تو حنان آیا بیٹھا تھا۔ نہ جانے کیوں وہ خود میں عجیب سا محسوس کرنے لگی جیسے کوئی چوری کر کے آئی ہو۔ حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں تھی نہ ڈاکٹر آفتاب کے لہجے اور انداز سے کسی گھٹیا رویے کا اظہار ہوتا تھا۔ وہ سامنے والے کے دل میں اترنے کا گر جانتے تھے کوئی گرویدہ ہوئے بغیر رہ ہی نہیں پاتا تھا۔

ڈاکٹر آفتاب نے بڑی توجہ سے عافیہ کو خود چیک کیا اور ان کی کچھ میڈیسن تبدیل کیں۔ نرسز کو اس کا خصوصی خیال رکھنے کی تاکید کر کے وہ گھر روانہ ہوئے۔ حوریہ بعد میں حنان کے ساتھ ہی گھر واپس آئی۔



آج اتوار تھا۔ حیدر اور حنان دونوں گھر پہ تھے۔

حوریہ نے ناشتے کے بعد بھابھی کے لیے ان کی دو پسندیدہ ڈشز تیار کیں۔ آج حیدر نے بچوں کو بھی ہاسپٹل لے کر جانا تھا۔

دو دن بعد عافیہ ڈسچارج ہو رہی تھی۔

حوریہ کے علاوہ سب ہی ہاسپٹل گئے۔ وہ گھر کے کام نپٹاتی رہی۔

اگلے دن بھابھی نے بطور خاص اسے آنے کی تاکید کی۔

حیدر بھائی اسے صبح ہی لے کر ہاسپٹل آ گئے۔ عافیہ کی طبیعت بہت ہشاش بشاش نظر آرہی تھی۔ کل ویسے بھی انہیں گھر آجانا تھا۔

ڈاکٹر آفتاب نے اسے پورا ہاسپٹل دکھایا پھر آخر میں اسے وی آئی پی رومز دکھائے جہاں اس وقت مظفر آباد سے لائی گئی ایک بچی ایڈمٹ تھی۔ اسے سب اسٹاف سے ملوایا اور آخر میں عافیہ کی تازہ ترین رپورٹس دکھائیں جس میں ان کی پرانی بیماری کا نام و نشان تک نہ تھا۔

عافیہ بہت خوش تھی۔ اپنی رپورٹس کی بابت اسے بھی پتہ تھا۔

سہ پہر کو حنان کا دوست عافیہ بھابھی کا پتہ کرنے آ گیا ساتھ حنان بھی تھا حوریہ نے رخ موڑ کر حجاب درست کیا۔ عافیہ ان دونوں سے باتیں کرنے لگی۔

حوریہ نے کولڈ ڈرنکس حنان اور شیر افگن کو دیں۔ شیر افگن نے شائستگی سے انکار کر دیا۔

عافیہ اسے پسندیدہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ تھا ہی ایسا مہذب' سلجھا ہوا اور ایک دم ریفائنڈ۔

ڈاکٹر آفتاب نے ان سب کو اپنے گھر دعوت پہ انوائیٹ کیا تھا۔ ظاہر ہے حوریہ نے تو جانا نہیں تھا۔ سو حنان' حیدر اور عافیہ ہی گئے۔

ڈاکٹر آفتاب کا گھر بہت شان دار اور ویل ڈیکوریٹڈ تھا۔ ہر شے سے امارت اور بلند شوق کا اظہار ہو رہا تھا۔ ہر شے سلیقے اور نفاست سے سجی تھی۔ عافیہ اور حیدر بہت متاثر ہوئے۔ وہیں پہ ان کی ملاقات ڈاکٹر آفتاب کی سب سے چھوٹی بیٹی اور ان کی بہت بوڑھی والدہ سے ہوئی جن کی بابت وہ یہ جان کر بہت حیران ہوئے کہ ان کی عمر سو سال سے زائد ہے۔ ڈاکٹر آفتاب نے مزید بتایا کہ میری والدہ کو روحانیت سے بہت دلچسپی ہے اور یہ گزشتہ تیس سال سے چلے میں ہیں اور کسی سے بات نہیں کرتیں۔ وہ انہیں خود اپنی والدہ کے کمرے میں لے گئے تھے جہاں وہ آنکھیں بند کیے لیٹی تھیں' ان کے سلام کا جواب انہوں نے سر کے اشارے سے دیا اور پھر اس کے علاوہ انہوں نے بات

نہیں کی۔ ڈاکٹر آفتاب انہیں بتاتے رہے کہ اماں جان کی روحانی صلاحیتوں سے عام لوگوں نے بہت فیض پایا ہے وہ جس کی طرف نظر کرتی ہیں اس کی قسمت سنور جاتی ہے۔

عافیہ اپنے دکھڑے لے کر بیٹھ گئی اس کے اپنے خود ساختہ مسائل اور پرابلمز تھے۔

وہ ڈاکٹر آفتاب کو حوریہ کے رشتے کے بارے میں ہاں کر کے لوٹے۔ جس پہ ڈاکٹر آفتاب بہت خوش تھے۔

☆ ☆ ☆

عافیہ ' نتاشا اور حنان کی شادی کی تیاریوں میں بھی پیش پیش تھی۔ حنان کی بری بھی بنائی تھی۔ ادھر سے حوریہ کو بھی رخصت کرنا تھا۔ حوریہ کا اتنا زیادہ پرابلم نہیں تھا۔ کیونکہ ڈاکٹر آفتاب نے کہا تھا کہ وہ سادگی سے نکاح کر کے حوریہ کو لے جائیں گے اور ان کے ساتھ صرف چھ سات افراد ہوں گے۔

عافیہ کے تو ہاتھ پاؤں پھولے ہوئے تھے کیونکہ ڈاکٹر آفتاب نے نو دس دن کے شارٹ نوٹس پہ نکاح کا بولا تھا۔ وہ بے چاری بوکھلائی ہوئی تھی کیونکہ اگلے ماہ حنان اور نتاشا کی شادی بھی تو تھی۔

وہ زیورات کا آرڈر دے آئی تھی۔ اب حوریہ کے لیے بھی تو سونے کی جیولری بنانی تھی۔ روایتی عورتوں کی طرح اس کی جان نکلی جا رہی تھی کہ پیسہ حیدر کی جیب سے خرچ ہوگا۔

رات سونے کے لیے وہ لیٹی تو اس خدشے کا اظہار بڑے سادہ انداز میں حیدر سے کیا تو وہ خوب ہنسا۔

"ارے حوریہ کے لیے کچھ بھی خریدنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"کیوں؟" عافیہ نے اچنبھے سے دیکھا۔

"بھئی اس کے پاس سونے کی جیولری کافی زیادہ ہے۔" حیدر نے وضاحت کی۔

"مگر میں نے تو کبھی نہیں دیکھی۔"

"ارے بنک لاکر میں پڑی ہے۔ امی نے کبھی گھر رکھنے ہی نہیں دی ' زمینوں جائیدادوں کے کاغذات بھی لاکر میں ہیں۔ امی بہت وہمی طبیعت کی مالک تھیں تب ہی کوئی چیز بھی حوریہ کو گھر نہیں رکھنے دی۔"

حیدر اپنی دھن میں بتا رہا تھا اور عافیہ حیران ہو رہی تھی۔

"کون سی زمینوں جائیدادوں کے کاغذات؟ اور جیولری کس نے لے کر دی حوریہ کو؟" کچھ دیر پہلے کی چھائی بیزاری ختم ہو گئی تھی۔ اس کی جگہ شوق اور تجسس نے لے لی تھی۔ حیدر نے بات ہی ایسی کی تھی۔ وہ دل میں اندازے لگا رہی تھی کہ شاید آنٹی نے مضافات والا گھر اور مارکیٹ والی دکانیں حوریہ کے نام کی ہوں گی کیونکہ وہ چاہتی بھی تو اسے بہت زیادہ تھیں۔ وہ سُلگ رہی تھی کہ ابھی تک اسے اس بات کی ہوا کیوں نہیں لگنے دی گئی کہ حوریہ کے نام اتنا کچھ آنٹی کر گئیں۔

"امی نے حوریہ کے نام کچھ نہیں کیا۔ نہ ہی اسے ضرورت تھی۔"

"ماموں جان کی تمام جائیداد کی وارث حوریہ ہے اور وہ ٹھیک ٹھاک امیر ہے اور جیولری امی نے زبردستی بنوائی تھی کہ کل کو شادی ہوگی تو کام آئے گی ورنہ حوریہ کو اس قسم کی چیزوں سے دلچسپی نہیں ہے۔ بس ماموں جان کی بے وقت موت نے حوریہ کو بالکل اکیلا کر ڈالا تھا تب ہی اسے امی اپنے ساتھ لے آئی تھیں مگر ہم سب یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ امی کو حوریہ کی دولت ' جائیداد سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ انہوں نے اس کا پیسہ سب کا سب اسی کے نام اکاؤنٹ کھلوا کر جمع کروا دیا تھا۔"

حیدر نے مختصراً بتایا اور خاموش ہو گیا۔

امی کے تذکرے پہ اس کا دل اداس ہو گیا تھا۔ عافیہ دل ہی دل میں حوریہ کی زمینوں اور بینک بیلنس کا حساب لگا رہی تھی۔ اتنی اہم بات اسے آج پتہ چلی تھی۔ جس پہ وہ جتنا بھی حیران ہوتی کم تھا۔

ڈاکٹر آفتاب نے کہلوایا تھا کہ حوریہ کے لیے شادی کے کپڑے ' جوتے ' جیولری جو جو کچھ لینا ہے خود لے لیں ان کی طرف سے بھی پھر جو بھی خرچہ آئے مجھ سے پیسے لے لیجئے گا۔ آج پہلی بار عافیہ الجھی تھی۔

"کمال ہے خود کر لیں ناں حوریہ کی شاپنگ۔ اپنی بیٹیوں سے کہیں۔ وہ کر لیں۔ آرام سے کہہ دیا کہ سب کچھ لے لیں پھر پیسوں کا مجھے بتا دیں۔ حد ہوتی ہے۔"

وہ اونچا اونچا بول رہی تھی۔ حوریہ نے نہ سمجھ آنے والے انداز میں اسے دیکھا تھا۔

☆ ☆ ☆

رات ڈاکٹر آفتاب کا فون آ گیا۔ وہ نماز سے فارغ ہو کر بیٹھی تھی۔ سیل اٹھایا تو ڈاکٹر آفتاب کالنگ کے الفاظ چمک رہے تھے۔

"میں نے سوچا' آپ سے پوچھ لوں کہ آپ کی شاپنگ کہاں تک پہنچی؟" آج ان کے لہجے میں بے پناہ شوخی تھی۔ رنگ ڈھنگ ہی بدلا ہوا تھا۔

"میں نے تو کوئی شاپنگ نہیں کی۔" حوریہ کا لہجہ ہمیشہ کی طرح سنجیدہ تھا۔

"کیوں؟"

"بس موڈ نہیں تھا۔ میں نے عافیہ بھابھی سے کہا ہے وہ خود ہی لے آئیں ان کی چوائس کافی اچھی ہے۔"

"اچھا اچھا یہ بات ہے۔ چوائس تو آپ کی بھی اچھی ہے اب مجھے ہی دیکھ لیں۔ ہاہاہا۔"

ڈاکٹر آفتاب نے اپنے مذاق سے خود ہی لطف اٹھایا

"ویسے میں دیکھنے میں کیسا لگتا ہوں' میرا مطلب ہے عمر کے حساب سے۔" انہوں نے سوال کیا تو حوریہ نے کچھ توقف کے بعد جواب دیا۔

"ڈاکٹر صاحب! دیکھنے میں آپ زیادہ سے زیادہ چالیس سال کے لگتے ہیں اور کسی طرح بھی جوان بچوں کے باپ نہیں لگتے۔" حوریہ نے ان کی ظاہری شخصیت سے نظر آنے والے تاثر کا کھل کر اظہار کیا تو ڈاکٹر آفتاب کو بہت اچھا لگا۔

"اور پتا ہے دیکھنے میں آپ بھی اکیس بائیس سال سے زیادہ کی نہیں لگتیں۔ اللہ نے اتنے پیارے نقش دیے ہیں۔ اتنی خوب صورت موٹی موٹی آنکھیں دی ہیں۔ اٹھنے بیٹھنے کا خوب صورت انداز دیا ہے۔ لہجہ اور آواز دونوں متاثر کن ہیں مگر اس کے باوجود آپ نے خود کو گروم نہیں کیا۔ تھوڑی سی توجہ اپنی لکس پہ دیں تو واللہ قیامت ہیں آپ۔"

حوریہ نے اپنی دھن میں ڈاکٹر آفتاب کا آخری جملہ نہیں سنا "کیا مطلب ہے آپ کا' میں خود پہ توجہ دیتی تو ہوں۔"

"خاک توجہ دیتی ہیں آپ۔ ناخن نیل پالش سے خالی ہیں۔ آنکھوں میں کاجل نہیں ہے۔ ہاتھ' انگلیاں' کان ہر طرح کی جیولری سے محروم ہیں اور رہی سہی کسر آپ نے حجاب لے کر پوری کر دی ہے۔ اپنی دلکشی کا آپ نے ستیاناس کر دیا ہے یہ دس گز کا تھان اپنے گرد لپیٹ کر۔ پتا ہے لوگ آج کل برقعے والیوں اور نقاب والیوں کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟"

"ڈاکٹر صاحب! مجھے لوگوں کی رائے سے کچھ نہیں لینا دینا۔ مجھے اپنے جسم کو ڈھانپنا پسند ہے' اس لیے میں لوگوں کی پروا نہیں کرتی پھر یہ اللہ کا حکم بھی ہے۔"

اسے آج پہلی بار غصہ آیا تھا۔

"دیکھیں اللہ رحمان ہے۔ رحیم ہے محض آپ کو ایک چھوٹی سی بات پہ دوزخ میں نہیں ڈالے گا کہ آپ نے برقعہ کیوں نہیں لیا' نقاب کیوں نہیں پہنا۔ دیکھیں میں روشن خیال بھی ہوں اور مذہبی بھی ہوں مگر میں مذہبی جنونی نہیں ہوں۔ آپ نے اگر ہاف سلیوز پہنی ہیں۔ فٹنگ کی شرٹ پہنی ہے۔ ساڑھی پہنی ہے' بانی ٹیل پہنی ہے بال آپ کے لمبے ہیں تو وہ نظر آنے چاہئیں یہ نہیں کہ آپ چھپا کر رکھیں۔ انہیں ظاہر کریں۔"

"مجھے اپنی خوب صورتی کو ظاہر کرنے کا شوق نہیں ہے۔" حوریہ جواباً غصے سے بولی جس کا احساس ڈاکٹر آفتاب کو بخوبی ہو رہا تھا۔

"ارے میں تو مذاق کر رہا تھا آپ سے۔ آپ تو برا مان گئی ہیں۔"

"چلیں کوئی بات نہیں ہے۔" حوریہ نے اپنی طرف سے بات ختم کردی۔

"میں نے وہ گھر تقریباً" پسند کرلیا ہے آپ کے لیے۔ لیکن شادی کے فوراً" بعد آپ کو اس گھر میں لے کر نہیں جاؤں گا۔ کیونکہ کچھ دن آپ نے میری فیملی کے ساتھ گزارنے ہیں۔"

اس بات پہ وہ خاموش رہی۔

"میں نے ہر چیز کا مالک آپ کو بنادیا ہے اپنے گھر' ہاسپٹل' اپنے بینک بیلنس تک کا بھی۔ میرے پاس جو کچھ ہے سب آپ کا ہے۔ بیٹے اور دونوں بیٹیوں کو میں ان کے حصے دے چکا ہوں اب باقی سب آپ کا ہے۔"

"آپ کا بینک بیلنس کتنا ہے امیر لوگو! کتنی جائیداد ہے؟" ڈاکٹر آفتاب اسے چھیڑ رہے تھے۔ حوریہ ہڑبڑا کر ان کے لہجے کے سحر سے آزاد ہوئی۔

"باباجان کی میں اکلوتی اولاد ہوں اور ان کا سب کچھ میرا ہے۔ لیکن کیا فائدہ۔ میرے والدین زندہ ہوتے تو میں حقیقی معنوں میں خوش ہوتی۔ میرے لیے زمین' دولت' جائیداد کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔" یکایک وہ اداس ہوگئی تھی۔

"آپ کے لیے یہ دولت' جائیداد اہمیت نہیں رکھتی مگر میرے لیے تو رکھتی ہے ناں۔ میرا مطلب ہے میرے ہاسپٹل اور مشن کے لیے آپ بھی انسانی فلاح پہ خرچ کردیں۔ آپ کے لیے یہ صدقہ جاریہ ہوگا اور آپ کے والدین کی روح بھی خوش ہوگی۔"

"آپ کو ایک بات بتاؤں کچھ روز پہلے ایک بچی نے مجھ سے رابطہ کرکے رو رو کر مجھے اپنی دکھ بھری کہانی سنائی اور کہا کہ آپ مجھ سہارا دے دیں' شادی کرلیں مجھ سے اور میں نے ایک بہت اچھے نوجوان سے اس کی شادی کروادی۔ کیونکہ میرے ذہن میں اس وقت آپ تھیں کہ اس بچی کو تو اور اچھے رشتے مل جائیں گے مگر آپ کو شاید نہ ملیں۔ آپ کو تحفظ اور سہارا دینے کی نیت سے میں نے کسی اور طرف ہاں نہیں کی"

حوریہ کے ایک دم سے آنسو نکل آئے۔

"ڈاکٹر صاحب تھینک سوچ کہ آپ نے مجھ جیسی کم مایہ حیثیت لڑکی کو اس قابل سمجھا۔ آپ تو آسمان ہیں۔ میں عام سی لڑکی ہوں۔ عافیہ بھابھی نے شروع سے ہی نامحسوس انداز میں مجھے میری حیثیت سے آگاہ کردیا تھا کہ میں کیا ہوں میں اپنے بارے میں کسی خوش فہمی کا شکار نہیں ہوں۔ میں جانتی ہوں' میری عمر انتیس سال سے زیادہ ہے اور اس عمر میں ہمارے گاؤں کی لڑکیاں دو تین بچوں کی مائیں بن چکی ہوتی ہیں۔ میں اتنی بدنصیب ہوں۔ چھوٹی سی تو تھی جب امی فوت ہوئیں۔ اس کے بعد باباجان بھی ساتھ چھوڑ گئے پھر پھوپھو کا سہارا بھی چھن گیا۔ میں اب بے گھر اور بے در ہوں۔" اس کے ضبط کا بندھن ٹوٹ چکا تھا۔ ڈاکٹر آفتاب کا دھیما دھیما لہجہ اس کے زخموں کو سی رہا تھا۔

"آج کے بعد نہ تو آپ بے سہارا ہیں نہ بے در اور نہ بے گھر ہیں۔ ٹھیک ہے لڑکی کے ساتھ ٹریجڈی ہوجائے تو لے پھر اچھا رشتہ نہیں ملتا۔ ہمارا معاشرہ ہی ایسا ہے وہ ساٹھ سال کے بوڑھے کی سولہ سال کی لڑکی سے شادی قبول کرلیتا ہے مگر ایک داغ لگی لڑکی کی کسی کنوارے لڑکے سے شادی ہضم نہیں کرتا اور نہ کنوارا رشتہ ملتا ہے۔"

"کیوں ڈاکٹر صاحب؟ میری عمر اتنی زیادہ تو نہیں ہے۔" وہ پھٹ پڑی۔ "حوریہ بی بی! ہمیں معاشرے کے ساتھ چلنا پڑتا ہے" "میرے گھر آکر آپ کو کوئی دکھ نہیں ملے گا پھر بھی اس کے باوجود میں آپ کو فورس نہیں کرتا کہ آپ مجھ سے ہی شادی کریں۔ میں آپ کے لیے آپ کی عمر کے مطابق کسی اچھے نوجوان کا رشتہ ڈھونڈ سکتا ہوں۔ آپ کی اجازت ہو تو.....؟"

"نہیں ڈاکٹر صاحب! جب تقدیر میں یہی لکھا ہے تو مجھے انکار نہیں ہے۔" وہ اب پرسکون ہوچکی تھی۔

"مجھ پہ اعتماد کرنے کا شکریہ۔ ویسے ایک بات بتاؤں آپ کو کہ ایسے رشتے چل نہیں پاتے۔ جو معاشرے کے اصول و قوانین کی نفی کی بنیاد پہ استوار

کیے جاتے ہیں۔ آپ نے درست فیصلہ کیا ہے بلکہ تقدیر کا فیصلہ بھی یہی ہے۔ جو آپ کے حق میں بہترین ثابت ہوگا۔"

کچھ دیر بعد انہوں نے اپنا خیال رکھنے کی تاکید کر کے فون بند کردیا۔

رات ابھی تنہائی کی پہلی دہلیز پہ ہے
اور میری جانب
اپنے ہاتھ بڑھاتی ہے
سوچ رہی ہوں
ان کو تھاموں
زینہ زینہ سناٹوں کے تہہ خانوں میں اتروں
یا اپنے کمرے میں ٹھہروں
چاند
مری کھڑکی پہ دستک دیتا ہے!

* * *

عافیہ اپنے میکے گئی ہوئی تھی۔ ان کی واپسی رات کو ہی ہونی تھی۔ حیدر بھائی ان کے ساتھ تھے اور حنان اپنے آفس میں تھا۔ حوریہ ٹی وی لاؤنج میں ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ جب ڈور بیل بجتی چلی گئی۔

چوکیدار نے گیٹ کھولا۔ حوریہ اندر سے نکلی کہ اس وقت کون آگیا۔ ڈاکٹر آفتاب کو دیکھ کر اسے خوشگوار حیرت ہوئی۔ کیونکہ اس جمعہ کو نکاح تھا اور وہ ہرگز نہیں توقع کر رہی تھی ان کی آمد کی۔ حوریہ نے ڈرائنگ روم میں لا بٹھایا۔ اس دوران وہ بھرپور نظروں سے اس کا جائزہ لے چکے تھے۔ آج حوریہ نے ان کی آمد پہ اپنا منہ نہیں چھپایا تھا لیکن دوپٹہ پہلے کی طرح اس نے اچھی طرح سر اور باقی جسم کے گرد اچھی طرح لپیٹ رکھا تھا۔

ادھر ادھر کی باتوں کے دوران ڈاکٹر آفتاب کا انداز اچانک بدل گیا۔

"میں چاہتا ہوں کہ شادی کے بعد آپ اس پردے وردے سے جان چھڑالیں یا اس طرح کریں کہ صرف اسکارف سر پہ لیں۔ میں چاہتا ہوں کہ لوگ میرے انتخاب کو دیکھیں۔"

"ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحب دیکھوں گی۔" حوریہ نے بحث نہیں کی۔

"ایک اور بات کہ میں نے اپنا فرقہ بدل لیا ہے اور اسی فرقے کی وجہ سے میں نے بہت سے روحانی مدارج طے کیے ہیں۔ لیکن یہ بات بہت کم لوگوں کو پتہ ہے اور میں نے آپ کو بتائی ہے آپ کو اعتراض تو نہیں ہے؟" وہ چپ سی ہوگئی۔



حیدر اور عافیہ سر پکڑے بیٹھے تھے۔ نکاح میں صرف کل کا دن باقی تھا اور ڈاکٹر آفتاب نے اپنی مجبوری بتا کر پیسوں کی ڈیمانڈ کی تھی۔ انہوں نے حیدر کو فون کیا تھا کہ میں نے کسی کا بہت ضروری ادھار دینا ہے۔ مجھے تین کروڑ فوری ادھار چاہئیں یا آپ مجھ سے آدھا ہاسپٹل خرید لیں میں اس وقت بہت مشکل میں ہوں۔"

انہوں نے حیدر کو بہت تاکید کی تھی کہ یہ بات میرے اور آپ کے درمیان رہنی چاہیے۔ آپ نے اپنی بیگم کو بھی نہیں بتانی۔ میری برسوں کی عزت اور بنی بنائی ساکھ کا سوال ہے میں یہ پیسے بہت جلد لوٹا دوں گا۔"

لیکن حیدر سے رہا نہیں گیا اس نے یہ بات عافیہ کو بتادی اور وہ بہت پریشان تھی۔

"اب سمجھ میں نہیں آرہا کہ کیا کیا جائے، اتنے پیسوں کا انتظام فوری طور پر کہاں سے کیا جائے۔" حیدر اضطراری انداز میں ٹہل رہا تھا۔

"صاف بات کہہ دیں کہ ہمارے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں۔ ہم کہاں سے دیں۔ آپ بات تو کریں ان سے۔" عافیہ کا مشورہ اس کے دل کو لگا۔

حیدر اسی وقت ڈاکٹر آفتاب کی طرف چلا گیا اور عافیہ کے الفاظ من و عن دہرا دیے۔ جس کے بعد ان کا رویہ بہت غیر متوقع تھا۔

"میری مجبوری بہت شدید ہے، خیر اس طرح کرتے ہیں کہ شادی تھوڑی لیٹ کر دیتے ہیں۔ سال چھ ماہ میں جیسے ہی میرے حالات ٹھیک ہوتے ہیں میں آپ کو بتا دوں گا۔ میں سفید پوش آدمی ہوں اور اس وقت بالکل خالی ہاتھ ہوں، فی الحال میرے پاس کچھ نہیں ہے۔"

ڈاکٹر آفتاب کا شاندار گھر اور مہنگی مہنگی پورچ میں کھڑی گاڑیاں حیدر کے تصور میں زندہ ہوگئیں۔

اب مزید بات کی گنجائش نہیں تھی۔ وہ چپ چاپ واپس چلا آیا۔ عافیہ نے خوب شور مچایا۔ "پرسوں نکاح ہے سب کو پتہ ہے اب ہم کیسے لیٹ کریں؟" اس کی پریشانی بجا تھی۔

حوریہ کے سامنے ہی تو سب ہو رہا تھا۔ وہ کیسے لا تعلق رہ سکتی تھی۔

وہ خود بھی پریشان تھی اسے رات کا انتظار تھا کیونکہ ڈاکٹر آفتاب اس وقت فارغ ہوتے تھے۔

"ڈاکٹر صاحب! میں یہ کیا سن رہی ہوں؟" اس نے ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بجائے صاف بات کی۔

"آپ نے کیا سنا ہے بھلا۔" انہوں نے انجان بن کر سوال کیا۔

"آپ شادی لیٹ کر رہے ہیں۔ میرے سب رشتہ داروں کو پتہ ہے۔ ہماری عزت کا سوال ہے یہ۔ پہلے آپ نے خود ہی دس دن کے اندر شادی کرنے کا کہا، اب تو آپ یہ بات کر رہے ہیں۔" وہ اچھی خاصی غصے میں تھی۔

"دیکھیں حوریہ بی بی! میں بہت پریشانی میں ہوں، میرے پاس ایک ٹکا تک نہیں ہے۔ میرا بیٹا ڈاکٹر انجم امریکہ جانا چاہ رہا ہے۔ صرف میری وجہ سے رکا ہوا ہے۔ اس ہاسپٹل میں اس نے بھی انویسٹمنٹ کر رکھی تھی۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کا حصہ دے کر باقی ہاسپٹل آپ کے نام کر دوں۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ میرا بیٹا یہ خیال کرے کہ میں نے شادی کر کے نئی دنیا بسالی ہے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ فی الحال شادی کے سلسلے کو آگے بڑھا دیا جائے۔"

"آپ کو کتنے پیسوں کی ضرورت ہے؟"

"فی الحال تین کروڑ روپے سے کام چل جائے گا۔ یہ مل جائیں تو میں آپ کو عزت سے اپنے گھر لے آؤں گا۔ میری پریشانی ختم ہو جائے گی اور آپ کو آپ کا مقام مل جائے گا۔" ڈاکٹر آفتاب کے لہجے میں ایک دم سے زندگی دوبارہ رواں ہو گئی تھی۔

"ٹھیک ہے ڈاکٹر صاحب! میں آپ سے بعد میں بات کرتی ہوں۔" حوریہ نے انہیں تسلی دے کر فون بند کر دیا۔ اس کا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اس نے اسی وقت ملائکہ کا نمبر ملایا۔ چوتھی بیل پر ہی اس نے ریسیو کر لیا۔

ساری تفصیلات سننے کے بعد وہ خاموش سی ہو گئی۔ بولی بھی تو بہت دیر کے بعد۔

"حوریہ! مجھے تو ڈاکٹر آفتاب ٹھیک آدمی نہیں لگتے، ہو سکتا ہے یہ میرا وہم ہو مگر پھر بھی تم سوچ کر فیصلہ کرو۔ یہ زندگی بھر کا معاملہ ہے۔ اور سچ پوچھو تو میں اس رشتے کے حق میں نہیں ہوں۔ مجھے تو لگتا ہے کہ وہ تم سے شادی نہیں کریں گے ورنہ وہ پیسوں کا مطالبہ شادی کے بعد تم سے کرتے اس وقت تم انکار نہ کر سکتیں، پہلے مطالبہ کرنے کا مقصد ہی یہی ہے کہ وہ صرف پیسہ چاہتے ہیں۔ تمہیں انہیں یہ بتانے کی کیا ضرورت تھی کہ تمہارے نام دولت و جائیداد ہے۔"

"یہ میں نے نہیں بتایا۔ پھوپھو نے جب انہیں میرے بارے میں بتایا تو ان کے منہ سے نکل گیا تھا کہ میں اپنے والد کی جائیداد کی اکلوتی وارث ہوں۔"

"چلو تم ایک کام کرو۔ تمہیں ڈاکٹر آفتاب کی نیت کا پتہ چل جائے گا۔" ملائکہ اسے آئندہ کا لائحہ عمل بتاتی چلی گئی۔



فجر کی نماز کے بعد اس نے بہت دیر تک دعا میں اللہ سے روشنی اور امید مانگی۔ جب وہ مصلیٰ تہہ کر کے اٹھی تو بہت حد تک پرسکون تھی۔ رات والی پریشانی بھی کم تھی۔

نو بجے کے قریب اس نے عافیہ سے اپنی ایک سہیلی کے گھر جانے کی اجازت مانگی جو قریب ہی دوسرے بلاک میں رہتی تھی۔

انھوں نے بھلا کیا کہنا تھا۔ سو حوریہ گھر سے نکل کر سیدھی ڈاکٹر آفتاب کے ہاسپٹل جا پہنچی۔ ڈاکٹر آفتاب کی خوبرو سیکریٹری نے حسب معمول کٹیلی نظروں سے اسے دیکھا اور اسے اندر جانے کا اشارہ کیا۔

چہرے پہ معنی خیز مسکراہٹ سجی ہوئی تھی۔ ڈاکٹر آفتاب کے ساتھ ان کا بیٹا بھی موجود تھا۔ دونوں اسے اپنے سامنے دیکھ کر حیران ہوئے۔

"ڈاکٹر صاحب! میں آپ کو تین کروڑ دے دوں گی مگر بینک سے اتنا اماؤنٹ مجھے اتنا جلدی نہیں ملے گا آپ کو کچھ دن انتظار کرنا ہوگا۔"

"اوہ، بسم اللہ۔ آپ بیٹھیں تو سہی، یہ میرا بیٹا ہے۔ آپ سے ملنے کا بہت شوق تھا اسے۔ ابھی آپ کی باتیں ہی ہو رہی تھیں۔ یہ کہہ رہا تھا کہ ہاسپٹل مکمل طور پہ آپ کے سپرد کر دیا جائے۔ پھر آپ جانیں آپ کا کام۔"

ڈاکٹر آفتاب کا انداز ہمیشہ کی طرح دل کش تھا۔ مگر وہ بیٹھی نہیں اور ان ہی قدموں گھر واپس لوٹ آئی۔ ملائکہ کی ہدایات پہ اس نے عمل کر لیا تھا۔

گھر آ کر اس نے ڈاکٹر آفتاب کا نمبر ملایا جو بزی مل رہا تھا۔

کچھ دیر کے بعد خود ہی ان کی کال آئی۔

"ڈاکٹر صاحب! میں جو آپ کو پیسے دوں گی، اس کا ذکر میرے گھر کے کسی فرد کے سامنے نہیں کرنا ہے۔"

"نہیں کروں گا۔ آپ فکر نہ کریں۔ آپ کی عزت میری عزت ہے۔ جس پہ کسی صورت میں حرف نہیں آنے دوں گا۔" ان کا لہجہ شہد آگیں تھا۔

"اگر اس لین دین کا حیدر بھائی یا کسی اور کو پتہ چل گیا تو ہماری شادی نہیں ہو سکے گی۔"

"آپ بالغ ہیں عاقل ہیں اپنی مرضی کا فیصلہ کرنے کے لیے آزاد ہیں کوئی آپ پہ پابندی نہیں لگا سکتا۔ ایسا کچھ ہوا تو آپ میرے پاس آ جانا۔ ہم کورٹ میں شادی کر لیں گے۔ آپ بغاوت کریں اس معاشرے کے فرسودہ قوانین کے خلاف۔" ڈاکٹر آفتاب پورے جوش میں آ چکے تھے۔ دوسری طرف حوریہ کے لبوں پہ پھیکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

"میں اگر پیسے لے کر آپ کے پاس آ جاؤں تو آپ مجھے کہاں رکھیں گے؟"

"ارے دنیا بہت بڑی ہے حوریہ جی! کہیں بھی اپنی دنیا بسا لیں گے۔ یا پھر آپ شروع کے کچھ ماہ ہاسپٹل کے وی آئی پی رومز میں گزار لینا۔ اس کے بعد میں آپ کو گھر لے جاؤں گا۔"

"مطلب آپ مجھے فوری طور پہ گھر لے کر نہیں جائیں گے۔"

"نہیں۔ یک دم سے نہیں کیونکہ کچھ قباحتیں ہیں پھر کبھی بتاؤں گا آپ کو۔" وہ بڑی صفائی سے ٹال کر اپنے مطلب کی طرف آ گئے۔

"حوریہ! آپ کی گاؤں والی جو حویلی ہے۔ اس کی کیا مالیت ہوگی اس وقت؟"

"مجھے نہیں پتا وہ تو بند پڑی ہوئی ہے۔ حیدر بھائی یا حنان ہی جانتے ہیں خیر خبر۔"

"اچھا آپ اس حویلی کو بھی فلاحی کاموں کے لیے وقف کر دیں کیونکہ میں نے شروع میں بھی آپ سے کہا تھا کہ انسانی بھلائی کے کاموں میں تن من دھن سب کچھ خرچ کرنا پڑتا ہے۔"

"ڈاکٹر صاحب! آپ کچھ کہیں اور میں نا کروں یہ ہو نہیں سکتا کیونکہ آپ واقعی مجھے اچھے لگنے لگے ہیں۔ میرا سب کچھ آپ کا ہے۔ اتنی دولت جائیداد میرے کس کام کی؟"

"ارے ارے۔ ایسا نہ کہیں ہمارا سب کچھ آپ کا ہے۔ میں شام کو آؤں گا۔ آپ کی فیملی سے ملوں گا اور بتاؤں گا کہ نکاح جمعے کو ہی ہوگا۔"

ڈاکٹر آفتاب سے اپنی خوشی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا مارے خوشی کے وہ ناچ اٹھیں گے۔

حوریہ نے جب فون بند کیا تو اس کی آنکھوں میں

موٹے موٹے آنسو تیر رہے تھے۔ اسے جو کچھ جاننا تھا جان چکی تھی اور تلخ حقیقتوں کی سفاکیوں نے اسے آبدیدہ کر دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

ڈاکٹر آفتاب، اپنے بھائی، بیٹے اور دونوں بیٹیوں سمیت ان کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ انھوں نے کہہ دیا تھا کہ پیسوں کا انتظام ہو گیا ہے اور شادی جمعہ کو ہی ہوگی۔ اسی وجہ سے حیدر اور عافیہ کے دل میں جو بال آیا تھا وہ ختم ہو چکا تھا۔ مٹھائی، کیک، کباب، رول، سے مہمانوں کی تواضع کی گئی۔

"ہم پھر کل کس وقت آئیں اپنی امانت لینے؟"

ڈاکٹر آفتاب کے بھائی نے براہ راست حیدر سے پوچھا۔ اس وقت تک حوریہ ڈرائنگ روم میں پہنچ چکی تھی۔

سب کی نظریں اس کی طرف اٹھ گئیں۔ جو بڑی سرد اور اجنبی نگاہوں سے آنے والوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی نگاہوں میں شرم و حیا کا شائبہ تک نہ تھا۔

"آپ کو کل آنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ مجھے اس شادی سے انکار ہے۔"

اپنی بات مکمل کر کے سب کے حواسوں پہ بم گرا کر وہ رکی نہیں جس طرح آئی تھی اسی طرح ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

عافیہ بھابھی اور حیدر بھائی دونوں اسے دیکھ رہے تھے۔ عافیہ کی تو دلی مراد پوری ہو رہی تھی۔ دل سے وہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ حوریہ کی شادی ڈاکٹر آفتاب سے ہو۔

جب سے اسے حوریہ کی مالی حیثیت کا علم ہوا تھا اس کے خیالات میں راتوں رات تبدیلی آ گئی تھی۔

آج حوریہ کے انکار کی سب سے زیادہ خوشی اسے ہی ہوئی تھی۔ اس کے ذہن میں اپنے بھائی راشد کا نام تھا۔ جو حوریہ سے عمر میں سترہ اٹھارہ سال بڑا تھا۔ شراب اور جوئے کی لت کی وجہ سے کبھی کوئی کام ٹک کر اس نے کیا ہی نہیں تھا دس دن یہاں تو دس دن وہاں۔ وہ مستقل نوکری کر ہی نہیں سکتا تھا۔ ان ہی حرکتوں کی وجہ سے ابھی تک اس کا رشتہ نہیں ہوا تھا۔ عافیہ اس بھائی کی وجہ سے بہت پریشان رہتی تھی۔

وہ دل سے چاہ رہی تھی کہ حوریہ کے ساتھ راشد کی شادی ہو جائے۔ کیونکہ ایسی صورت میں راشد کی زندگی بن جاتی تھی۔ حوریہ کا سب کچھ راشد کا ہو جاتا تو وارے نیارے ہو جاتے۔

حوریہ کی سادہ لوحی کے پیش نظر اسے مکمل امید تھی کہ وہ مان جائے گی۔ کیونکہ اول روز سے ہی اسے اس گھر میں حوریہ کا وجود ناقابل برداشت لگا تھا۔ حوریہ کی اچھی بھلی متوازن شخصیت کو مسخ کر کے اس نے احساس کمتری کے بوجھ تلے دبا ڈالا تھا۔ اس کی عمر اور شکل کو اس نے خاص طور پہ ٹارگٹ بنایا ہوا تھا۔ اسی وجہ سے ڈاکٹر آفتاب کے رشتے کو ناپسند کرنے کے باوجود وہ راضی ہونے پہ مجبور ہوئی تھی۔

حیدر تو باہر نکل گئے تھے عافیہ وہیں تھی۔

"اس اتوار کو نتاشا اور حنان کی شادی کی ڈیٹ فکس ہو رہی ہے میں چاہ رہی ہوں کہ تمہارے اور نتاشا کے فرض سے اکٹھے ہی عہدہ برآ ہو جاؤں۔ میری کب سے آرزو تھی تمہیں بھابھی بنانے کی جو قسمت سے اب پوری ہونے جا رہی ہے۔" عافیہ کے الفاظ لہجہ انداز سب کچھ ہی بدلا ہوا تھا۔

حوریہ خاموشی سے گود میں رکھے ہاتھوں کو دیکھے جا رہی تھی۔

"بھابھی! میں سوچ کر جواب دوں گی۔" یہ کہہ کر اس نے رخ موڑ لیا جیسے اب کوئی اور بات کرنا ہی نہ چاہتی ہو۔

"ضرور سوچو لیکن جواب ہاں میں ہونا چاہیے۔" عافیہ بھابھی کا انداز بہت شرارتی تھا۔ حوریہ کے اندر آج ایک اور بت ٹوٹا تھا۔

عجیب لوگ ہیں
ہم اہل اعتبار کتنے بدنصیب لوگ ہیں
جو رات جاگنے کی تھی

وہ ساری رات خواب دیکھ دیکھ کر گزارتے رہے
جو نام بھولنے کا تھا' اس ایک نام کو گلی گلی پکارتے رہے
جو کھیل جیتنے کا تھا' وہ کھیل ہارتے رہے
عجیب لوگ ہیں
ہم اہل اعتبار کتنے بد نصیب لوگ ہیں
کسی سے بھی قرض آبرو ادا نہ ہو سکا
لہولہان ساعتوں کا فیصلہ نہ ہو سکا
برس گزر گئے کوئی معجزہ نہ ہو سکا
وہ جل بجھا کہ آگ جس کی شعلہ نفس میں تھی
وہ تیر کھا گیا کمان جس کی دسترس میں تھی
سیاہ مہر کو فصیل شب کا انتظار ہے
کب آئے گا وہ شخص جس کا سب کو انتظار ہے
ہم اہل انتظار کتنے بد نصیب لوگ ہیں
عجیب لوگ ہیں
ہم اہل اعتبار کتنے بد نصیب لوگ ہیں

☼ ☼ ☼

تیاشا اور حسان کی شادی کی ڈیٹ اتوار کو فکس ہو رہی تھی۔ پندرہ دن بعد شادی تھی۔ عافیہ کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں۔ پورے خاندان میں یہ خبر گردش کر رہی تھی کہ حوریہ' راشد سے شادی کے لیے مان گئی ہے اس خبر کو پھیلانے میں زیادہ ہاتھ عافیہ کا تھا۔ اسے سو فی صد یقین تھا کہ حوریہ نا کر ہی نہیں سکتی۔

وہ آج بھی صبح سے شاپنگ کے لیے نکلی ہوئی تھی۔ اس نے حوریہ سے بھی کہا کہ تم بھی چلو اپنی شاپنگ کر لو مگر وہ نہ مانی۔

وہ ملائکہ کا نمبر ملا رہی تھی جب حسان اپنے دوست شیر افگن کو لیے گھر داخل ہوا۔ حسان کو شام میں ایک ضروری کام کے سلسلے میں شیر افگن کے ساتھ اسلام آباد کے لیے نکلنا تھا۔ ان کا پروگرام تھا کہ کھانا کھا کر جائیں گے بعد میں چائے پی لیں گے۔

حسان اسے کھانا بنانے کا کہنے آیا تو وہ ملائکہ سے ہی بات کر رہی تھی۔ اسے ہولڈ کروا کر اس نے حسان کی بات سنی۔ وہ بہت جلدی میں تھا۔ حوریہ نے ملائکہ سے لمبی چوڑی بات نہیں کی اور اسے اللہ حافظ کہہ دیا۔

پہلے اس نے کولڈ ڈرنکس حسان کے ہاتھ اندر بھجوائی۔ پھر کھانا بنانے میں لگ گئی۔ کباب اور یخنی فریزر میں پڑی تھی سو چاول بنانے اور کباب فرائی کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ ساتھ اس نے مسالے دار چکن بنا لیا۔

کھانا اختتامی مراحل میں تھا جب کمرے میں رکھا اس کا سیل زور و شور سے گنگنانے لگا۔ اس نے پہلی بار نظر انداز کر دیا۔ دوسری بار پھر کال آنے لگی وہ تب بھی سلاد کاٹنے میں لگی رہی۔ تیسری بار لینڈ لائن نمبر بجنے لگا۔ حسان پتا نہیں کہاں تھا۔ فون ریسیو ہی نہیں کر رہا تھا۔

دوبارہ اس کا سیل بجنے لگا تو ناچار وہ کمرے کی طرف دوڑی۔ جانے کس کو اتنی جلدی تھی۔

موبائل اسکرین پہ ڈاکٹر آفتاب کالنگ کے الفاظ چمک رہے تھے یک دم ہی اس کے ہاتھ سے سیٹ پڑ گئے۔ بمشکل تمام اس نے فون آن کر کے کان سے لگایا۔

"حوریہ امین! خود کو اوور اسمارٹ سمجھتی ہو تم نے میرے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر کے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ تمہیں پتہ نہیں کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں۔

میں تمہیں ٹائم دے رہا ہوں اس کے بعد بھی اگر تم نے ناں کی تو تمہارے ساتھ جو ہو گا' تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔ ڈاکٹر آفتاب بہت کمینی شے کا نام ہے۔ میں تمہیں اپنی بیوی کا نمبر دے رہا ہوں' وہ تمہیں سب کچھ بتائے گی۔ میرا ساتھ دو گی تو فائدے میں رہو گی ورنہ عزت سے بھی جاؤ گی اور جان سے بھی۔"

ڈاکٹر آفتاب کا لہجہ برف کی طرح سرد تھا۔

اس کا پورا جسم ایک دم بے جان سا ہو گیا۔ گویا ملائکہ نے جس خوف کا اظہار کیا تھا' وہ سچ ہو گیا تھا۔

پہلے تو اس کا دل چاہا پھوٹ پھوٹ کر رو دے۔ اتنا روئے کہ اس کا وجود بھی پانی بن کر بہہ جائے۔ اسی اضطرابی کیفیت میں وہ ڈرائنگ روم میں حسان کو بلانے کے ارادے سے گئی اس وقت شدت سے کسی ہمدرد کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ اپنی ناگفتہ بہ حالت کا اسے مطلق احساس نہیں تھا۔

دروازہ کھول کر وہ بے دھڑک اندر داخل ہوئی۔ صوفے پہ بیٹھا میگزین دیکھتا شیر افگن گھبرا سا گیا۔ حوریہ کی حالت ہی ایسی تھی۔ پریشان اور متوحش چہرا زرد رنگت کانپتے ہاتھ پاؤں ڈھلکا آنچل۔ حالانکہ آج سے اس وقت سے پہلے وہ جب بھی اس کے سامنے آئی تھی با حجاب آئی تھی۔ آج وہ اسے بے حجاب نظر آئی تھی۔ حسان اپنے کمرے میں تھا۔ شاور لے کر اس کا ارادہ چینج کرنے کا تھا۔ وہ افگن کو انتظار میں چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ اسے گئے ہوئے تین منٹ بھی نہیں گزرے تھے۔

شیر افگن صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیا بات ہے آپ اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہیں؟"

"حسان بھائی کہاں ہیں؟" حوریہ کو اپنے لرزتے ہاتھ پاؤں اور گھبراہٹ پہ کم از کم اس وقت اختیار نہیں تھا۔

"وہ اپنے کمرے میں گیا ہے شاور لے کر چینج کرنے" شیر افگن کی نگاہوں میں ابھی تک سوال برقرار تھا۔ حوریہ کو فیصلہ کرنے میں فقط چند سیکنڈ لگے تھے۔

"پلیز میری مدد کریں ورنہ میں بالکل تباہ ہو جاؤں گی کسی کو بھی منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گی۔ پلیز میری مدد کریں پلیز۔ آپ کو اللہ کا واسطہ۔ انسانیت کے واسطے میری مدد کریں پلیز۔ مجھ سے شادی کر لیں۔"

اس وقت حوریہ اپنی نسوانی انا کو فراموش کر چکی تھی۔ "کریں گے ناں میری مدد۔ کریں گے ناں شادی؟" اس کی آنسوؤں سے لبالب بھری آنکھیں لرزتا کانپتا وجود اور اللہ کا نام' انسانیت کا واسطہ شیر افگن کو بے اختیار سر ہلانے پر مجبور کر گئے۔

"میں انتظار کروں گی آپ کے آنے کا؟" اس نے الٹے قدموں پیچھے ہٹتے ہوئے اپنے آنسو پونچھے اور پھر تقریباً بھاگتی ہوئی وہاں سے نکلی۔

"میں انتظار کروں گی آپ کے آنے کا۔" اس کے وہاں سے جانے کے بعد بھی شیر افگن کو اس کی آواز اپنے کانوں میں سرگوشیاں کرتی محسوس ہو رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

حوریہ کو بہت تیز بخار تھا۔

حیدر شام کو اسے ڈاکٹر نعیم کے پاس لے گیا۔ اس وقت اس کا بی پی خطرناک حد تک لو تھا۔ بار بار اس پہ غشی کے دورے پڑ رہے تھے۔ عافیہ پریشان تھی کہ اچانک بیٹھے بٹھائے اس کی طبیعت کو کیا ہو گیا ہے۔

اتوار کو تاشا اور حسان کی شادی کی ڈیٹ فکس ہو رہی تھی ادھر یہ بیمار ہو گئی تھی۔ اس نے ابھی تک راشد کے سلسلے میں ہاں یا ناں میں کوئی جواب نہیں دیا تھا مگر عافیہ کا ارادہ تھا کہ اتوار کے دن ہی کوئی ہلکی پھلکی رسم کر کے حوریہ کو انگوٹھی پہنا دی جائے۔ مگر اس کی خراب طبیعت کے پیش نظر اسے اپنا پروگرام کھٹائی میں پڑتا نظر آ رہا تھا۔

اور ہوا بھی یہی۔ شادی کی ڈیٹ فکس بھی ہو گئی مگر حوریہ کی طبیعت بجائے سنبھلنے کے بگڑتی گئی۔

☼ ☼ ☼

شیر افگن ملک اپنے دادا ملک شجاعت احمد کے ساتھ ان کے گھر آیا تھا۔ اس کے دادا نے بڑے سبھاؤ اور سلیقے کے ساتھ حوریہ کا رشتہ طلب کیا تھا۔ حسان مارے خوشی کے شیر افگن کے ساتھ لپٹ گیا۔ اپنا یہ دوست اسے بہت عزیز تھا۔

ملک شجاعت حیدر سے کہہ رہے تھے کہ ہمیں شادی جلدی کرنی ہے بلکہ شیر افگن نے تو حسان سے صاف کہہ دیا تھا کہ "تمہاری بارات کے دوسرے دن میں اپنی بارات لاؤں گا۔"

حیدر اپنی گاڑی میں اسی وقت مٹھائی لینے نکلا اور حسان نے یہ خوش خبری عافیہ بھابھی کو سنائی۔ یہ سن کر

شیر افگن کا رشتہ آیا ہے حوریہ کے لیے۔ عافیہ بھابھی کا چہرا جس طرح اترا تھا۔ وہ حنان سے پوشیدہ نہیں رہا تھا۔ صاف لگ رہا تھا کہ انہوں نے اپنے غصے کو مسکراہٹ کی آڑ میں چھپایا ہے۔

حنان کو اپنی خوشی پہ قابو نہیں تھا۔ ملک شجاعت نے حوریہ کو دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ حنان اس کے کمرے میں آیا۔ وہ نڈھال سے انداز میں بستر پہ دراز تھی۔ زرد رنگت ' اترا چہرا۔ چند دن میں ہی اس کا یہ حال ہو گیا تھا۔

"حوریہ! میرے دوست شیر افگن کے دادا جان آئے ہیں۔ تم سے ملنا چاہتے ہیں۔ ادھر ہی لے آؤں کہ ڈرائنگ روم میں آؤ گی؟" حنان نے اپنی شریر مسکراہٹ کو سنجیدگی کی آڑ میں چھپا لیا تھا۔

حوریہ ہڑبڑا سی گئی۔

حنان کے دوست کے سامنے شدت جذبات میں کی گئی بے وقوفی کو وہ اپنے تئیں بھول گئی تھی اور بارہا اس پہ دل کھول کر شرمندہ بھی ہوئی تھی کہ اس نے کیسی حماقت کر دی ہے۔ حنان کا دوست کیا سوچتا ہو گا۔

"بھابھی! کچن میں ہیں' چائے لائیں تو تم بھی جلدی سے ان کے ساتھ آؤ۔ وہ تمہیں دیکھنے آئے ہیں۔" حنان باہر جا چکا تھا۔ اسے ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب ہو چکا ہے۔

عافیہ کے پیچھے پیچھے وہ ڈرائنگ روم میں آئی تھی۔ ملک شجاعت نے اٹھ کر اس کے سر پہ ہاتھ پھیرا تو اسے نہ جانے کیوں رونا آ گیا۔ روئی روئی آنکھیں' زرد رنگت جھکی نگاہیں اور کمزور سی آواز۔ صاف ظاہر کر رہی تھی کہ یہ لڑکی کی پریشانی اور خوف کا شکار ہے۔ ملک شجاعت کی نگاہوں میں حوریہ کے لیے پسندیدگی تھی۔

حیدر انہیں حوریہ کے بارے میں تفصیل سے بتانے لگے۔

مما اور پپا کو کنوینس کرنے کا مشکل مرحلہ شجاعت ملک کے ذریعے ہی طے ہوا تھا۔ وہ وضع دار انسان تھے۔ حیدر بہت خوش تھا۔ رہا حنان تو اس کی شیر افگن سے دوستی رشتہ داری میں بدل رہی تھی' اس کے لیے یہ مقام شکر تھا۔

ملک شجاعت بہت جلدی شادی کرنا چاہ رہے تھے کیونکہ شیر افگن کی جلدی جلدی کی رٹ نے انہیں بوکھلا دیا تھا۔ وہ تو ہتھیلی پہ سرسوں جمانے کی فکر میں تھا۔ ان کے سامنے اس نے یہی کہا تھا کہ اسے حوریہ سے شدید محبت ہے جو پل دو پل کی نہیں ہے بلکہ برسوں پہ محیط ہے۔ اس کی بھابھی زبردستی اس کی شادی اپنے بھائی سے کرنا چاہتی ہے جو کہ اسے گوارا نہیں ہے۔

حوریہ کو دیکھ کر' اس سے مل کر ان کے دل سے سب ملال رخصت ہو گیا تھا۔

حیدر نے ہاں کر دی تھی۔ حنان کی وجہ سے عافیہ کو بھی اپنی ناپسندیدگی ظاہر کرنے کا موقعہ نہیں ملا تھا۔ طوعاً و کرہاً" حیدر اور حنان کی خوشی میں وہ خوش تھی۔ آج حنان کے دل پہ بھی رکھا بوجھ سرک گیا تھا۔ حوریہ اور ڈاکٹر آفتاب کے رشتے کے بعد وہ خود کو مجرم تصور کرتا تھا۔

ملک شجاعت بھی بوکھلائے ہوئے تھے۔ مگر صد شکر کہ یاسمین اور عبداللہ ملک آ رہے تھے۔ انہیں چار دن بعد کی سیٹ ملی تھی۔

ملک شجاعت نے انہیں سمجھا بجھا لیا تھا۔ پہلا بیٹا تھا۔ ان کے آنگن میں کھلنے والا پہلا پھول ' اس کے بارے میں یاسمین نے بڑے خواب دیکھے ہوئے تھے۔ خیر ان دونوں میاں بیوی نے اس بات کو انا کا مسئلہ نہیں بنایا اور معاملات خوش اسلوبی سے طے کر لیے۔

☼ ☼ ☼

حیدر نے عافیہ کو سختی سے منع کر دیا تھا کہ حوریہ کی گزشتہ زندگی کی ٹریجڈی کو فی الوقت شیر افگن کی فیملی کے سامنے شیئر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اپنے طور پہ اس نے اکیلے میں یہ بات صاف صاف شیر افگن کو بتا دی تھی کہ کل کو اس بات سے اسے اعتراض نہ ہو۔

اس نے سن کر کسی خاص ردعمل کا اظہار نہیں کیا تھا ہاں اس نے یہ ضرور کہا تھا کہ "فی الحال میری فیملی کے سامنے اس کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے میں خود ہینڈل کر لوں گا۔"

یاسمین اور عبداللہ ملک پاکستان پہنچ چکے تھے۔ ادھر حوریہ بہت پریشان تھی۔ ڈاکٹر آفتاب کی کال ریسیو کرنا اس نے چھوڑ دی تھی وہ دھمکی آمیز میسج بھیجنے لگے تو اس نے گھبرا کر موبائل ہی آف کر دیا۔

یاسمین اور عبداللہ ملک دونوں جا کر حوریہ سے مل آئے تھے۔ بیٹے کی پسند کو انہوں نے دل و جان سے قبول کر لیا تھا۔

حنان کے ولیمہ کے ٹھیک بارھویں دن شیر افگن اور حوریہ کا نکاح تھا۔



دل و نگاہ پہ کس طور کے عذاب اترے
وہ ماہتاب ہی اترا نہ اس کے خواب اترے
کہاں وہ رُت کہ جبینوں پہ آفتاب اترے
زمانہ بیت گیا ان کے آب و تاب اترے
اداس شب میں کڑی دوپہر کے لمحوں میں
کوئی چراغ کوئی صورت گلاب اترے
کبھی تو ترے لہجے کی شبنمی ٹھنڈک
سماعتوں کے دریچوں پہ خواب خواب اترے

شادی سے صرف دو دن پہلے شیر افگن کے دونوں چھوٹے بھائی بھی پاکستان آ گئے تھے۔ بھائی کی شادی کی بہت خوشی تھی انہیں۔ ان کی طرف تو بہت ہنگامہ اور رونق تھی لیکن حوریہ نے حیدر بھائی اور عافیہ سے کہہ دیا تھا کہ شادی میں زیادہ لوگوں کو نہ بلایا جائے اور نہ ہی رسموں کے نام پر ہلا گلا کیا جائے۔ عافیہ نے تو شکر کا سانس لیا تھا کہ اخراجات میں کمی جو ہو رہی تھی۔

مگر حیدر اور حنان جز بز ہو رہے تھے کہ شیر افگن کی فیملی کیا سوچے گی۔ حوریہ نے اپنے فیصلے پہ نظر ثانی کرنے سے انکار کر دیا۔ اتنی ضدی وہ پہلے کبھی نہیں تھی۔ اصل بات سے آگاہ کر کے وہ انہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ کیونکہ اسے ڈاکٹر آفتاب کی مجرمانہ ذہنیت کا خوب اچھی طرح اندازہ ہو چکا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی اس کی وجہ سے حنان یا حیدر بھائی کو ذرا بھی نقصان پہنچے۔

حوریہ کو اپنی آنکھوں پہ یقین نہیں آ رہا تھا۔ ملائکہ سچ مچ اس کی آنکھوں کے سامنے موجود تھی۔ یقین آتے ہی وہ بھاگ کر اس سے لپٹی تھی۔

"تم بات نہ کرو مجھ سے۔ اتنی اہم بات بتانی تم نے گوارا نہیں کی۔ وہ تو بھلا ہو حنان بھائی کا جنہوں نے مجھے بتایا تمہاری شادی کا۔ تمہارا سیل نمبر اتنے دنوں سے آف ہے میں نے لینڈ لائن نمبر ٹرائی کیا تو حنان بھائی سے بات ہوئی۔ انہوں نے ہی سب کچھ بتایا مجھے اور میں نے اتنی مشکل سے سیٹ ریزرو کروائی۔" ملائکہ کے گلے شکوے جاری تھے۔ حوریہ شرمندگی سے مسکرا رہی تھی۔

ملائکہ کی آمد نے اسے حقیقی معنوں میں خوشی بخشی تھی۔

وہ بھی نتاشا کے ساتھ پارلر سے مہندی لگوا کر آئی تھی۔

نتاشا کی شادی کو چند روز ہی ہوئے تھے وہ سر سے پاؤں تک سجی سنوری بہت اچھی لگ رہی تھی۔ ضد کر کے اس نے حوریہ کے پورے بازوؤں اور پاؤں پہ ٹخنوں سے اوپر تک مہندی لگوائی تھی۔ وہ حنان کے ساتھ بہت خوش تھی۔ عافیہ کے برعکس وہ من موجی اور شوخ مزاج تھی۔ عافیہ کی طرح اس نے حوریہ اور شیر افگن کی شادی کو انا کا مسئلہ نہیں بنایا تھا۔ شادی سے ایک ہفتہ پہلے ہی اس نے حوریہ کو بیوٹی سیلون لے جانا شروع کر دیا تھا۔ حوریہ کے بال کمر سے نیچے تک جاتے تھے مگر ایک شیپ میں نہیں تھے۔ نیچے سے اس کے بالوں کی تھوڑی سی کٹنگ کروا کر اس نے حوریہ کے لمبے گھنے براؤن بالوں کو خوب صورت شیپ دلوا دی تھی۔

حوریہ نے خود پہ آج سے پہلے تک توجہ نہیں دی

تھی مگر اب نتاشا اسے پیچھے چھوڑ رہی تھی۔

رات ملائکہ اور وہ جاگتی رہیں۔ کتنے عرصے بعد ملاقات ہوئی تھی۔ باتیں ختم ہونے میں نہیں آرہی تھیں۔ رات کا آخری پہر تھا جب آسمان پہ بادلوں کی قطاریں جمع ہونا شروع ہوئیں۔

"ملائکہ! تمہیں پتا ہے مجھے رنگوں سے کتنی دلچسپی تھی میٹرک کے بعد میں کتنے شوخ شوخ رنگوں کے کپڑے سلواتی تھی۔ میرا جی چاہتا تھا کہ رنگوں کو اپنی مٹھی میں بند کرلوں۔ نیلے' پیلے' سرخ' اودے' گلابی' بیلے' کاسنی' گولڈن' سبز میں قوس قزح کے سب رنگ چرالوں اور پھر رنگوں کی بارش میں نہاؤں۔ مگر میرے شوق کی عمر بہت کم تھی۔ بہت ہی کم۔"

اس کی آنکھیں برس رہی تھیں۔ ملائکہ نے اس کا سر شانے سے لگالیا مگر اس کے رونے کی رفتار میں کمی نہیں آئی۔

عمر کا جس روز گاڑی سے ایکسیڈنٹ ہوا میں نے اس روز سرخ جارجٹ کا سوٹ پہنا تھا بقول اماں فاطمہ کے میں بہت اچھی لگ رہی تھی۔

پھر اسی دن سب رنگ مجھ سے چھن گئے۔ مجھ میں شاید شعور نہیں تھا تب ہی تو اس کے بعد عید پہ مہندی لگانے لگی تو عورتوں نے مجھے ٹوک دیا۔ پھر پھوپھو مجھے یہاں لے آئیں اپنے ساتھ۔ عافیہ بھابھی بات بات پہ مجھے ٹوک دیتی تھیں کہ یہ کپڑے نہ پہنو' وہ رنگ نہ پہنو' اونچی آواز میں نہ ہنسو' زیادہ باتیں نہ کرو' لوگ کیا کہیں گے۔ میں لوگوں کے ڈر سے آہستہ آہستہ خاموش ہوتی چلی گئی۔ پھوپھو مجھ سے بہت پیار کرتی تھیں مگر اس تبدیلی اور اس خاموشی کو وہ بھی محسوس نہ کر پائیں۔

اور میرے سارے رنگ تیز دھوپ میں بے رنگ ہوتے چلے گئے۔۔۔ آج جب میں نے مہندی لگوائی تو بار بار یہ گمان ہوتا رہا کہ ابھی کوئی مجھے ٹوک دے گا۔ ابھی کوئی روک دے گا۔"

ملائکہ نے کھل کر اسے رونے دیا۔ اتنے برسوں کی کڑواہٹ تھی اس کے اندر۔ اچھا تھا نکل جاتی۔

شہر کے سب سے بہترین پارلر سے نتاشا نے اس کے لیے اپائنٹ منٹ لی تھی۔ شیر افگن کی مما نے حوریہ کے لیے عروسی سوٹ بلڈ ریڈ کلر میں تیار کروایا تھا۔ جو بہت ہی خوب صورت تھا۔

ملائکہ نے شام اس کی رخصتی کے بعد اسلام آباد چلے جانا تھا۔ وہ صرف چند دنوں کے لیے پاکستان آئی تھی۔

باقی کے دن اسے اپنے میکے اور سسرال والوں کے ساتھ گزارنے تھے۔

حوریہ کو رخصت ہو کر شیر افگن کے آبائی شہر چکوال جانا تھا۔ اچھا خاصا طویل سفر تھا۔ حیدر نے صرف چند قریبی رشتہ داروں دوستوں کو ہی مدعو کیا تھا۔

ملائکہ نے گلے لگا کر حوریہ کو بہت سی دعائیں دی تھیں۔ رواج کے مطابق ادھر سے کوئی خاتون یا رشتہ دار لڑکی حوریہ کے ساتھ نہیں گئی تھی۔ کیونکہ اس کے رشتہ داروں میں اب صرف اسی گھر کے چار نفوس تھے۔ بابا جان اور پھوپھو دو ہی بہن بھائی تھے۔ ادھر سے حوریہ کی ماں کی بھی صرف ایک ہی بہن تھیں جو اوائل عمری میں ہی فوت ہو گئی تھیں۔ یوں حوریہ رشتوں کے معاملے میں غریب ہی تھی۔

عافیہ نے ایک بار بھی نہیں کہا کہ میں تمہارے ساتھ جاؤں گی۔ مردوں کو بھلا ان معاملات یا رسموں سے کیا سروکار تھا۔ مگر اس کمی کو حوریہ نے اچھی طرح محسوس کیا تھا۔

یاسمین بھی عورت تھیں۔ ان کی حساس طبیعت نے اس عام سی بات کو فوراً" نوٹ کیا تھا کہ حوریہ کی طرف سے شادی والے معاملے میں اتنی خاص سرگرمی نہیں دکھائی گئی ہے۔ شیر افگن ان کی پہلی اولاد تھی اسی حوالے سے ان کے بڑے ارمان تھے۔ بیٹے کی ضد کے آگے وہ ہار مان گئی تھیں مگر اندر ہی اندر انہیں بہت سی باتیں کھٹک رہی تھیں۔



گاڑی شیر افگن کا چھوٹا بھائی عادل ڈرائیو کر رہا تھا۔

اس کے ساتھ شیر افگن بیٹھا تھا جبکہ پچھلی سیٹ پہ یاسمین اور حوریہ کے ساتھ عبداللہ ملک کی بھاوج بیٹھی تھیں۔ باقی گاڑیاں پیچھے تھیں۔ بارش کی وجہ سے عادل احتیاط سے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔

ڈیڑھ گھنٹے کے سفر کے بعد بارش کے آثار کہیں بھی نہیں دکھائی دے رہے تھے۔ عادل نے بھی رفتار بڑھادی۔ کلر کہار پہنچنے میں انہیں تین کے بجائے چار گھنٹے لگے تھے۔ ابھی مزید ایک گھنٹے کا سفر باقی تھا۔ ادھر بھی بارش کا سلسلہ زور و شور سے جاری تھا۔

عادل کو ڈرائیونگ سیٹ سے ہٹا کر شیر افگن نے خود اس کی جگہ سنبھال لی حالانکہ مما اور آنٹی نے بہت کہا کہ تم نہ کرو ڈرائیونگ مگر وہ نہ مانا کیونکہ عادل کی حالت وہ دیکھ چکا تھا۔ انگلینڈ اور پاکستان کی ٹریفک اور قوانین میں بہت فرق تھا۔ عادل گھبرایا ہوا سا تھا۔ کلر کہار پہنچنے کے بعد شیر افگن نے گاڑی گاؤں جانے والی ذیلی سڑک پہ موڑدی۔ اب وہ اپنے گاؤں کی طرف جا رہا تھا۔

اس دوران حوریہ کی حالت ناگفتہ بہ ہو چکی تھی۔ اتنا بھاری جوڑا اور اس پہ سونے کی بھاری جیولری اور میک اپ نے ستیاناس کر دیا تھا۔ وہ دعا کر رہی تھی کہ جلدی سے گھر آجائے۔

یاسمین کو اس کی حالت کا بخوبی احساس تھا۔ جب ہی تو انہوں نے اس کا سر اپنے شانے پہ رکھ لیا تھا۔ ان کا دایاں بازو حوریہ کی کمر میں حمائل تھا۔ خدا خدا کر کے سفر تمام ہوا۔

ملک شجاعت، عبداللہ ملک اور آیان سمیت دیگر رشتہ داران سے پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔

حوریہ کو سب سے پہلے جوس پلایا گیا۔ اس نے صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا۔ حالانکہ ملائکہ نے کتنی بار کہا کہ تھوڑا سا کھالو مگر اس نے بھوک نہ ہونے کا عذر کر کے منع کر دیا تھا۔ یہاں پہنچتے ہی یاسمین نے سب سے پہلے صدقے کے بکرے کو حوریہ کا ہاتھ لگوایا تھا۔ باقی کی رسمیں کرنے سے عبداللہ ملک نے روک دیا تھا کیونکہ حوریہ کی حالت سامنے تھی۔

شیر افگن کی ایک کزن نے اسے زبردستی نیم گرم دودھ پلایا اور پھر تقریباً" آدھے گھنٹے بعد اسے چکن بریانی کھلائی۔

مٹھائی کی رسم کے لیے شیر افگن کو اندر حوریہ کے پاس لایا گیا۔ خاندان کی سب عورتیں ادھر جمع تھیں اور بڑی دلچسپی سے دیکھ رہی تھیں۔ شیر افگن نے حوریہ کو مٹھائی کھلا دی تھی اور کامیاب ٹھہرا تھا۔ جبکہ حوریہ کا ہاتھ باوجود کوشش کے اس کے منہ تک نہیں پہنچ سکا تھا۔ اس کا چہرا گھونگھٹ کی آڑ میں تھا اور سر جھکا ہوا تھا۔

اسے اندازے سے ہی یہ معرکہ سر کرنا تھا مگر افگن بھی بہت ہوشیار تھا ناچار وہ گلاب جامن بھی حوریہ کو خود ہی کھانی پڑی کیونکہ اس رسم میں شرط یہی تھی جو مٹھائی کھلانے میں ناکام ہو جاتا اسے دوسرے کے حصے کی مٹھائی بھی خود کھانی پڑتی اور دونوں بار ہی ہوا۔

بھائی کی جیت پہ عادل اور آیان نے خوب تالیاں بجائیں۔ ان کے لیے یہ رسمیں بہت انوکھی اور پرکشش تھیں۔

شیر افگن کا کمرا فرسٹ فلور پہ سیٹ کیا گیا تھا۔

یاسمین اسے تھام کر اوپر لائیں۔ ساتھ آیان اور عادل بھی تھے۔ جوں ہی انہوں نے شیر افگن کے بیڈ روم کا دروازہ کھولا اور حوریہ نے پہلا قدم اندر رکھا، اس پہ پھول برسنے لگے۔ فلورل ڈیکوریشن بہت زبردست تھی۔ یہاں وہاں اس کے قدموں تلے پھول ہی پھول تھے۔

دہکتے ہوئے گلاب کے سرخ پھول، کمرا پھولوں سے بھرا ہوا تھا۔

یاسمین نے اسے جہازی سائز بیڈ پر لا بٹھایا۔ جہاں پھولوں کی چادر سی بچھی ہوئی تھی۔

"تم اب آرام کرو۔" یاسمین نے اس کے ماتھے پہ بوسہ دیا اور باقیوں کو لے کر نیچے چلی گئیں۔

حوریہ اب آرام سے کمرے کی آرائش دیکھ رہی تھی۔ ساری فضا گلاب کی خوشبو سے معطر تھی۔ پہلی بار اس کے لبوں پہ ایک خوشگوار مسکراہٹ آئی مگر کچھ

سوچ کر دل بجھ سا گیا۔ اسے پتا تھا شیر افگن نے اس کی مدد کرنے کے خیال سے شادی کی تھی تو ایک لحاظ سے وہ اس کا محسن تھا کہ مشکل کی اس گھڑی میں اس نے نہ جانے کس طرح اپنے گھر والوں کو اس شادی پر راضی کیا تھا۔

اسے اس حقیقت کو بھولنا نہیں چاہیے کہ اس نے ایک بے بس لڑکی سمجھ کر اس کی مدد کی ہے۔ گھٹنوں پہ سر رکھے وہ بہت سال پیچھے اپنے ماضی میں پہنچی ہوئی تھی۔

☼ ☼ ☼

یہیں تھا میرا بچپن، یہیں کہیں پہ تھا۔
یہیں ہنسا تھا
یہیں پہ کہیں رویا تھا
یہیں درختوں کے سائے میں تھک کے سویا تھا
یہیں پہ کھیل تھے میرے
یہیں گھروندے تھے
یہیں پہ جو ڈیوں سے نام کاڑھ لیتے تھے
یہیں پہ تتلیوں سے رنگ چھان لیتے تھے
یہیں پہ جگنوؤں سے اپنی بات چلتی تھی
کوئی ہنسی تھی جو ہر وقت ساتھ چلتی تھی
ان ہی جھروکوں سے کچھ چاند جھانکتے تھے مجھے
یہیں پہ تھا میرا بچپن
یہیں کہیں پہ تھا

حوریہ چار سال کی تھی جب نگینہ بیگم نے ہیپاٹائٹس بگڑنے پہ زندگی کو الوداع کہا تھا۔ بابا جان نے اسے محبت سے پالا اور ماں باپ دونوں کا کردار ادا کیا۔

اماں فاطمہ کی بھرپور توجہ اور محبت بھی حوریہ کو میسر تھی۔ اماں فاطمہ اور پھر ان کے ماں باپ اور پھر ان کے ماں باپ نے بھی اس خاندان کی خدمت کی تھی۔ اماں فاطمہ نوجوانی میں ہی بیوہ ہو گئی تھیں۔ اولاد کوئی تھی نہیں سو حوریہ ہی ان کی محبت کا مرکز تھی۔ انہوں نے جوانی سے بڑھاپے کا سفر اسی حویلی میں طے کیا تھا۔

حوریہ عمر کی منزلیں طے کرتی گئی۔ بابا جان کے بہت قریبی دوست چوہدری رفیق احمد تھے۔ ان کا حویلی میں آزادانہ آنا جانا تھا۔ وہیں پہ حوریہ انہیں اپنے بیٹے کے لیے بھا گئی۔ اپنی خواہش کا اظہار انہوں نے حوریہ کے بابا نعمان سے کیا۔ انہیں بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔

حوریہ میٹرک میں تھی جب چوہدری رفیق احمد کی شدید پیار بھری ضد کے ہاتھوں مجبور ہو کر امین نے اس کا نکاح عمر رفیق احمد سے کر دیا۔

اس وقت زہرا بیگم نے بھائی سے بہت کہا کہ اتنی جلدی مت کرو، حوریہ بہت چھوٹی ہے فی الحال منگنی کرلو مگر وہ دوست کو ٹال نہ سکے۔ بڑی دھوم دھام سے نکاح ہوا۔ رفیق احمد کی پوری برادری جمع ہوئی۔ مگر اس خوشی کی عمر بہت مختصر تھی۔

نکاح کے بعد صرف دو ماہ کا عرصہ گزرا تھا۔ اس کے بعد زندگی آزمائش بن گئی تھی۔

عمر رفیق احمد کا گاڑی سے بہت شدید ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ دس دن وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد خاموشی سے دنیا چھوڑ گیا۔

یوں نوعمری میں ہی حوریہ کی آزمائش کا دور شروع ہو گیا۔ گاؤں دیہات کے لوگوں کا اپنا مزاج اور سوچ ہوتی ہے۔ دبے لفظوں میں عورتوں نے اسے منحوس کہنا شروع کر دیا۔

رفیق احمد بیٹے کے دکھ سے نڈھال تھے تو قیامت نعمان پر بھی ٹوٹی تھی۔ حوریہ کی عمر ہی کیا تھی جو اتنا بڑا داغ بھی لگ گیا تھا۔ لوگوں کی سوچ محدود تھی۔ اٹھتے بیٹھتے اس حقیقت کا احساس دلانا بھولتے نہیں تھے۔

رفیق احمد نے وقت کے ساتھ ساتھ خود کو سنبھال لیا۔ اس روز اس کی عدالت میں پیشی تھی۔ خاندانی زمینوں کے جھگڑے پہ ایک مقدمہ کافی عرصے سے عدالت میں زیر سماعت تھا۔ رفیق احمد کو امید تھی کہ دو تین پیشیوں کے بعد عدالت ان ہی کے حق میں فیصلہ دے گی۔ اور آج مقدمے کا فیصلہ ہونا تھا۔ نعمان احمد اور رفیق احمد دونوں اکٹھے شہر گئے تھے۔

توقع کے مطابق فیصلہ ان ہی کے حق میں ہوا تھا۔

جب وہ عدالت سے باہر نکلے تو رفیق احمد کے چچا زاد اور تایا زاد باہر عدالت کے احاطے میں ہی موجود تھے۔ انہوں نے کینہ توز نگاہوں سے رفیق احمد کو دیکھا اور اپنی اپنی گاڑیوں میں بیٹھ گئے۔ رفیق احمد اور نعمان بھی گاؤں کی طرف عازم سفر ہوئے۔

راستے میں درختوں کے گھنے جھنڈ کے پاس رفیق احمد کے چچا زاد اپنے حواریوں کے ساتھ گھات لگا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ رفیق احمد کو اپنا دفاع کرنے کا موقع ہی نہ مل سکا اور پل بھر میں انہیں خون سے نہلا دیا گیا۔ اس کے ساتھ نعمان بھی مارے گئے۔

حوریہ پہ ایک اور قیامت ٹوٹی تھی۔ لوگ ہمدردی کی آڑ میں طنز کے تیر چلاتے۔ اماں فاطمہ کا کمزور اور بوڑھا وجود اسے کہاں تک سہارا دے سکتا تھا۔ وہ خود آئے دن بیمار رہنے لگی تھیں۔

انہی حالات کے پیش نظر زہرا بیگم اسے اپنے ساتھ لاہور لے آئیں۔

اب پھوپھو زہرا ہی اس کے لیے سب کچھ تھیں۔ حیدر اور حنان دونوں اس کے لیے بھائیوں کی طرح تھے۔ پھوپھو نے سب روپیہ پیسہ اس کے نام اکاؤنٹ کھلوا کر اس میں جمع کروا دیا۔ گاؤں والی حویلی سے حوریہ کا قلبی و جذباتی تعلق تھا وہ اس نے فروخت نہیں کی اور نہ اس کا کوئی ایسا ارادہ تھا۔ باقی زمینیں بھی جوں کی توں پڑی تھیں مگر زہرا کے دل میں ایک بار بھی لالچ نہیں آیا۔

شہر لانے کے بعد زہرا نے حوریہ کا ایڈمیشن کالج میں کروا دیا۔ گریجویشن کرنے کے بعد اس نے اپنی خواہش پہ یونیورسٹی میں ایڈمیشن لیا۔

اس تمام عرصے کے دوران عافیہ نے اس کو اپنا حریف تصور کرنا شروع کر دیا تھا۔

زہرا بیگم اسے بہت چاہتی تھیں ہر کام اس کے مشورے سے ہوتا یہی بات اسے برداشت نہیں ہوتی تھی۔ دو تین اچھی فیملیز نے حوریہ کے لیے اپنی دلچسپی کا اظہار کیا تو عافیہ نے کسی طرح ان کے کانوں تک یہ بات پہنچا دی کہ حوریہ کا پہلے نکاح ہو چکا ہے اور یہ اپنے شوہر کو کھا گئی ہے یہ داغ لگا چاند ہے۔

یہ باتیں سن کر ظاہر ہے کس نے رشتہ کرنا تھا یوں یہ معاملہ ختم ہو گیا تھا۔ کچھ الٹے سیدھے رشتے آئے جن کو زہرا بیگم نے صاف جواب دے دیا ان کے دل میں شروع سے خواہش تھی کہ حوریہ، حنان کی بیوی بنے اسی وجہ سے انہوں نے کہیں اور اس کی شادی کے لیے بات چیت کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اور اسی بات کو عافیہ نے ان کی کمزوری سمجھ لیا تھا۔

زہرا بیگم اور حوریہ دونوں ہی یہ نہ جان پائیں کہ اندرون خانہ عافیہ کیا کیا کرتی رہی ہے۔ اس کا حسد اسے چین نہیں لینے دیتا تھا۔

ڈاکٹر آفتاب کی دھمکی آمیز کال آنے کے بعد اس کا ارادہ تھا کہ حنان کو سب کچھ بتا کر ہینڈل کرنے کو کہے گی۔ مگر ڈرائنگ روم میں حنان کا دوست بیٹھا تھا اور عین وقت پہ اس نے اپنی زندگی کا سب سے خطرناک اور بولڈ اسٹیپ لیا تھا۔ اسی اسٹیپ پہ اس کی آئندہ زندگی کی بہتری یا بربادی کا انحصار تھا۔

اپنی بقا کے لیے اسے ایک مرد کا سہارا درکار تھا عارضی طور پر جب اس کے قدم مضبوط ہو جاتے وہ اس سہارے سے جان چھڑا لیتی۔

شیر افگن نے اپنا قول پورا کر دیا۔ اب وہ ڈاکٹر آفتاب سے بہت دور چکوال شیر افگن کے آبائی گھر میں بیٹھی تھی۔

ماضی کا سفر بہت تکلیف دہ تھا اس کی آنکھوں کے گوشے سرخ ہو رہے تھے۔ مختصر سے اس وقت میں وہ خیالوں میں بہت سا سفر طے کر آئی تھی۔

شکستہ روح پر سے غم کے سارے پیرہن
اک اک کر کے اترتے جا رہے ہیں
لمحہ لمحہ
میں زمین سے دور ہوتی جا رہی ہوں

☼ ☼ ☼

تھکن کی وجہ سے حوریہ کی آنکھ لگ گئی تھی ورنہ اس کا ارادہ تھا کہ بھاری سوٹ اور جیولری سے جان چھڑائے گی۔ مگر نیند بڑی ظالم تھی اس کا پروگرام ادھورا رہ گیا تھا۔ شیر افگن جب اپنے بیڈ روم میں داخل ہوا تو گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے وہ نیم دراز سو رہی تھی۔ اس کی ٹانگوں پہ نرم و ملائم کمبل پڑا تھا۔

یہاں بارشیں بہت ہوتی تھیں اور آج ہونے والی بارش نے موسم کو سرد کر دیا تھا۔ موسمی کیفیت کو دیکھتے ہوئے یاسمین نے کمبل بیڈ کی پائنتی رکھوا دیا تھا۔

حوریہ بیڈ پہ دراز ہوئی تو نیند آنے کا پتہ ہی نہیں چلا۔ ٹھنڈ لگنے پہ اس نے غنودہ کیفیت میں ہی کمبل پاؤں اور ٹانگوں پہ ڈالا تھا۔

گلاب کے پھولوں کی خوشبو پورے ماحول کو معطر کرتے ہوئے کچھ اجنبی اجنبی سی سرگوشیاں کرتی محسوس ہو رہی تھی۔

شیر افگن نے کپڑوں کی الماری سے اپنا نائٹ سوٹ نکالا۔ وہ روایتی دولہا کی طرح تیار نہیں ہوا تھا۔

نیم گرم پانی سے شاور لینے کے بعد اس کی تو ساری تھکن ہوا ہو گئی ساتھ نیند بھی۔ حوریہ ابھی تک محو خواب تھی۔ اتنی آہٹوں کے بعد بھی اس کی آنکھ نہیں کھلی تھی۔

شیر افگن گلاس ونڈو کی طرف گیا اور پردہ ہٹایا۔ باہر ابھی تک بارش برس رہی تھی اس نے پردے دوبارہ برابر کر دیے۔

بیڈ روم کی ساری فینسی لائٹیں روشن تھیں۔ اس نے ایک کے سوا سب آف کر دیں۔ کوئی خیال آنے پہ اس نے وہ بھی بند کر دی۔ اب صرف حوریہ کی سائیڈ پہ بیڈ لیمپ جل رہا تھا۔ گاؤ تکیے کے ساتھ ساتھ باقی دو تکیے بھی حوریہ کے قبضے میں تھے۔ گاؤ تکیے سے اس نے ٹیک لگائی ہوئی تھی اور دوسرا اس کی گردن اور سر کے نیچے تھا۔ تیسرا تکیہ اس کے پہلو کے پاس پڑا تھا جہاں وہ اپنا الٹا ہاتھ اور بازو بھی رکھے ہوئے تھی۔

شیر افگن لائٹس آف کر کے بیڈ کی طرف آیا۔ وہ پاؤں سمیٹ کر گٹھڑی سی بنی سو رہی تھی۔ وہ اس کی بائیں سائیڈ پر بیٹھ گیا۔ اب وہ مکمل طور پر اس کی نگاہوں کے سامنے تھی۔ دائیں بازو اس کے سینے پہ رکھا ہوا تھا جو سینے کے زیر و بم سے ہولے ہولے ہل رہا تھا۔ کہنیوں سے اوپر تک مہندی چھب دکھلا رہی تھی۔

"پلیز آپ کو اللہ کا واسطہ مجھ سے شادی کر لیں۔ میری مدد کریں ورنہ میں بالکل تباہ ہو جاؤں گی کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گی۔ یہ میں آپ سے ایک انسان ہونے کے ناتے کہہ رہی ہوں۔ انسانیت کے واسطے میری مدد کریں۔"

شیر افگن یک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا۔ اس کے یاقوتی لب اسے بولتے محسوس ہو رہے تھے حالانکہ وہ خاموش تھی مگر اس کی آواز شیر افگن کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ یوں سوئی ہوئی وہ اس کے خوابیدہ جذبات کو جگا رہی تھی شیر افگن کا ہاتھ اس کے بازو کی طرف بڑھا اور چہرا حوریہ کی طرف جھکا۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی گستاخی کرنے میں کامیاب ہوتا اس کے ہاتھ کے لمس سے حوریہ بیدار ہو گئی۔ وہ سنبھل گیا۔

حوریہ اٹھ کر بیٹھ چکی تھی۔ اس نے اپنا آپ تیزی سے سمیٹا تھا۔

زندگی میں پہلی بار وہ یوں پور پور سجی تھی۔ رنگ اس کے سارے وجود میں دمک رہے تھے اور وہ اتنی دلکش اور پراسرار محسوس ہو رہی تھی کہ شیر افگن کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس کے سارے بھیدوں سے یکدم واقف ہو جائے۔

حوریہ نے خود بھی تصور نہیں کیا تھا کہ دلہن بن کر وہ اتنی حسین لگے گی۔ ابھی کچھ دن پہلے جن مہمانوں نے نتاشا کو دلہن کے روپ میں دیکھا تھا انہوں نے آج یہی کہا تھا کہ حوریہ اس کے مقابلے میں بہت خوبصورت لگ رہی ہے۔ خود اس نے بے دلی سے صرف ایک بار آئینہ دیکھا تھا۔ اسے اپنا رنگ روپ سب بیکار لگ رہا تھا۔

شیر افگن کنوارا نوجوان تھا جب کہ وہ خود داغ لگا چاند تھی۔ یہ چاند شیر افگن کے آنگن میں اترنے کے کہاں لائق تھا۔ عافیہ بھابھی نے اس کے پروپوزل پہ پورے یقین سے کہا تھا کہ یہ رشتہ چل نہیں پائے گا

لڑکے دلی جذبات کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایسی شادیاں کر لیتے ہیں مگر جذبات کا طوفان اترتے ہی یہ رشتہ کاغذ کی ناؤ بن جاتا ہے جس کے مقدر میں ڈوبنا ہی ہوتا ہے فقط۔

عافیہ تو یہی سمجھ رہی تھی کہ شیر افگن' حسان کے دوست کی حیثیت سے یہاں آتا جاتا رہا ہے تو حوریہ اسے پسند آگئی ہے اس حد تک کہ اس نے اپنے بڑوں کو رشتے کے لیے بھجوادیا۔

"لگتا ہے، بہت تھک گئی ہیں آپ؟" شیر افگن کی گہری نگاہیں اس کے پورے وجود کا طواف کر رہی تھیں۔

"جی ہاں' کافی لمبا سفر تھا پھر اتنا بھاری لہنگا اور جیولری میں نے پہلے کبھی پہنی نہیں تھی۔" وہ بہت سلیقے سے خود کو سمیٹ کر بیٹھی ہوئی تھی۔

"بہت خوبصورت لگ رہی ہیں آپ اور فلورل ڈیکوریشن کیسی لگی آپ کو...؟"

"جی بہت اچھے لگ رہے ہیں پھول۔" اسے کچھ نہ کچھ بولنا ہی تھا۔

"لیکن آپ سے زیادہ اچھے نہیں۔ مجھے ریڈ روز بہت پسند ہیں میں چاہ رہا تھا آپ جب یہاں آئیں تو یہ پھول ہی آپ کو خوش آمدید کہیں...."

وہ سائیڈ ٹیبل کی دراز کھول کر کچھ ڈھونڈ رہا تھا۔ حوریہ کی صندلی پیشانی پہ یکدم پسینہ آگیا۔ وہ پلٹا۔

اس کے ہاتھ میں زنجیر کے ساتھ بہت خوبصورت لاکٹ تھا۔ جو یقیناً" حوریہ کے لیے تھا۔

"بہت جلدی میں لیا ہے۔" وہ اس کا لاک کھول چکا تھا۔ حوریہ اضطراری انداز میں بیڈ سے اتری' فضا میں چوڑیوں کا جلترنگ ابھرا۔ شیر افگن اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ اضطرابی کیفیت حوریہ کے چہرے سے مترشح تھی۔ "کیا ہوا ہے؟ آپ کھڑی کیوں ہو گئی ہیں؟"

"نہیں یہ کپڑے تبدیل کرنا چاہ رہی ہوں۔"

"اوہ.... آپ۔ جائیں کریں۔" وہ ٹھنڈی سانس بھرتا پیچھے ہٹ گیا۔ حالانکہ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ حوریہ ابھی اسی روپ میں اور کچھ دیر اس کے سامنے رہے۔ وہ کپڑے نکال کر چلی گئی۔ شیر افگن اس کے انتظار میں بیڈ پہ نیم دراز ہو گیا۔

گھڑی کی ٹک ٹک وقت گزرنے کا احساس دلا رہی تھی۔ خاصی دیر بعد وہ واپس آئی۔

سادہ سے کاٹن کے سوٹ میں ملبوس سر اور کندھوں کے گرد دوپٹہ لپیٹے اس نے گویا اپنے سارے اسرار محفوظ کر لیے تھے۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ حوریہ جا کر صوفے پر بیٹھ گئی۔

"آپ وہاں کیوں بیٹھ گئی ہیں؟" وہ حیرت سے ٹھٹکا۔

"میں اس مقام کے قابل نہیں ہوں جو آپ مجھے دینا چاہ رہے ہیں۔ میں نے مجبوری کے عالم میں اپنی نسوانی انا کو مار کر آپ سے مدد مانگی۔ عام حالات میں میں ایسا کچھ کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ مجھے یقین سا تھا کہ آپ ضرور میری مدد کریں گے اور میرا یقین سچا ثابت ہوا۔ آپ نے مجھ سے ابھی تک نہیں پوچھا کہ وہ کون سے ایسے حالات تھے جن کی بنا پر میں یہ سب کرنے پر مجبور ہوئی...؟"

"آپ خود ہی بتا دیں۔" وہ حیرت کے شدید جھٹکے سے سنبھلنے کی کوشش کر رہا تھا۔

حوریہ اسے سنبھل سنبھل کر سب حالات بتانے لگی۔ اس دوران وہ اپنے آنسو پینے کی بھی کوشش کر رہی تھی۔

"تو آپ اب کیا چاہتی ہیں....؟" شیر افگن بیڈ سے اتر کر اس کے سامنے آگیا تھا۔

"مجھے آپ کی ضرورت ہے کیونکہ ڈاکٹر آفتاب نے مجھے دھمکی دی ہے کہ وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔"

"مطلب جب حالات ٹھیک ہو جائیں گے تو ہمارے اور آپ کے راستے الگ ہو جائیں گے؟" وہ دلی جذبات کو چہرے سے عیاں نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔

"جی ہاں۔" وہ نظریں جھکا کر بولی۔ شیر افگن کے لبوں پہ تلخ مسکراہٹ آگئی۔

"جب آپ کو علم تھا کہ آپ کو کچھ عرصے کے لیے کسی سہارے کی ضرورت ہے تو اس کے لیے شادی جیسے ڈرامے کی کیا ضرورت تھی؟" کوشش کے باوجود وہ خود کو یہ کہنے سے روک نہیں پایا تھا۔

"میں کسی اور ذریعے سے بھی آپ کی مدد کر سکتا تھا۔"

"مگر میں ایک کمزور لڑکی تھی۔ آپ کسی اور ذریعے سے میری مدد کرتے تو مجھ پہ انگلیاں اٹھتیں جو مجھے گوارا نہیں کسی صورت۔"

"کیا کہوں میں حوریہ صاحبہ! آپ کو.... آپ نے مجھے مشکلات سے دوچار کر دیا ہے۔"

شیر افگن کو بہت غصہ آ رہا تھا۔ اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ حنان کی جو کزن خود کو مظلوم ترین لڑکی کے روپ میں پیش کر رہی ہے در حقیقت اتنی بھی مظلوم نہیں ہے۔ غصہ اسے بہت شدید آ رہا تھا۔

"میں نے آپ سے بہرحال شادی کی ہے نکاح نامہ میرے پاس ہے شوہرانہ حقوق میرے پاس محفوظ ہیں جنہیں آپ بھی چیلنج نہیں کر سکتیں۔"

اسے یوں لگا جیسے حوریہ ابھی رو دے گی۔

"میرے پاس ہے ہی کیا میری پہچان ہی کیا ہے ایک نوجوان بیوہ ایک داغ لگا چاند۔ آپ کی فیملی سے یہ بات چھپائی گئی ہے۔ کل جب یہ بات کھلے گی تو تو.... وہ میرے بارے میں اچھا نہیں سوچیں گے' اس لیے آپ کے ساتھ میں کوئی ایسا تعلق بنانا چاہتی ہی نہیں۔ میرا آپ کا کوئی جوڑ نہیں ہے۔ عافیہ بھابھی مجھے اپنے بھائی کے ساتھ نتھی کرنا چاہ رہی تھیں۔ مجھے پتا تھا اگر ایک بار میں وہاں پھنس جاتی تو میرا نکلنا ناممکن تھا۔ میں یہ بھی نہیں چاہتی تھی کہ حنان یا حیدر بھائی کو میری وجہ سے نقصان پہنچے' میں نے آپ کو اس وقت ڈرائنگ روم میں دیکھ کر اچانک فیصلہ کیا تھا کہ آپ اس گرداب سے نکلنے میں میرا ساتھ دے سکتے ہیں۔ میں مانتی ہوں میں نے خود غرضی سے کام لیا ہے مگر جانے سے پہلے میں معافی مانگ لوں گی۔" اس کے آخری الفاظ پہ شیر افگن چونک گیا۔ اس کا غصہ حوریہ کے آنسوؤں سے دم توڑ چکا تھا۔

"جب حالات آپ کے حق میں ہو جائیں گے تو آپ کیا کریں گی؟" وہ اس کے آنسوؤں سے الجھن محسوس کر رہا تھا۔

"میں آپ کا گھر چھوڑ دوں گی۔ ہو سکتا ہے ملائکہ کے پاس چلی جاؤں مگر واپس پلٹ کر پھوپھو کے گھر نہیں جاؤں گی۔"

شیر افگن بہت گھٹن محسوس کر رہا تھا۔ اس نے اٹھ کر گلاس ونڈو سے پردے کھسکا کر کھڑکیاں کھول دیں۔ بارش ایک تواتر سے برس رہی تھی۔

"حوریہ! آپ سو جائیں۔"

اس نے ساری لائٹیں آف کر دی تھیں خود وہ کھڑکی کے پاس کھڑا تھا۔ حوریہ نے صوفے پہ بیٹھے بیٹھے ہی کشن سر کے نیچے رکھا اور دراز ہو گئی۔

کھلی کھڑکی کے راستے بارش کی بوندیں اندر تک آ گئیں۔ حوریہ کی کب آنکھ لگی اور کب وہ دروازہ کھول کر ٹیرس پر گیا اسے کچھ خبر نہیں تھی۔

دونوں ہاتھ ریلنگ پہ ٹکائے باہر اندھیروں میں کچھ کھوجتا شیر افگن بارش میں مکمل طور پر بھیگ چکا تھا۔

مرے نصیب میں پھر یہ بہار ہو کہ نہ ہو
نہ جانے پھر وہ مرا غمگسار ہو کہ نہ ہو
یہی بہت ہے ایک شخص چین پا جائے
بھلے درخت بہت سایہ دار ہو کہ نہ ہو
مگر یہ طے ہے کہ میں اس کے غم میں رہتا ہوں
مرے لیے وہ بھلے بے قرار ہو کہ نہ ہو
میں دھوپ بن نہیں سکتا کسی کے لیے
مرے لیے کوئی ابر بہار ہو کہ نہ ہو

☼ ☼ ☼

صبح دم شیر افگن کی آنکھیں شب بیداری کی چغلی کھا رہی تھیں شاید وہ رات بھر نہیں سویا تھا۔ ساڑھے دس بجے دروازے پہ دستک ہوئی تو حوریہ کی آنکھ کھلی۔ اس نے فوراً "اٹھ کر کشن جگہ پر رکھا اور دوپٹہ سنبھال کر دروازہ کھولا۔ باہر شیر افگن کی کزن ثمینہ تھی۔

"صبح بخیر۔ آپ فریش ہو جائیں' میں ناشتہ ادھر ہی لاتی ہوں کیونکہ باقی سب کر چکے ہیں۔" وہ پلٹ کر چلی گئی۔ حوریہ کو جانے کیوں شرمندگی سی ہوئی۔

شیر افگن پیٹ کے بل لیٹا ہوا تھا۔ حوریہ واش روم سے منہ ہاتھ دھو کر آئی تو وہ تکیے کے سہارے نیم دراز سگریٹ پی رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بہت سرخ ہو رہی تھیں۔

ثمینہ ناشتہ لے کر آئی تو تب وہ اٹھ کر باتھ روم میں گیا۔ پندرہ منٹ بعد وہ نہا کر نکلا۔

صوفے پہ بیٹھ کر اس نے ٹیبل اپنی طرف گھسیٹی۔ حوریہ ہنوز کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔

"آئیں' آپ بھی ناشتہ کر لیں۔" یہ پہلی بات تھی جو شیر افگن نے اس سے کی تھی۔ وہ جھجکتے ہوئے اس سے قدرے دور ہو کر بیٹھ گئی۔

شیر افگن نے چائے کپ میں ڈال کر پالی ٹرے اس کی طرف سرکا دی۔ اس نے بھی صرف چائے ہی پی۔

"امید ہے کہ میری عزت کا آپ خیال رکھیں گی۔ کچھ بھی ہو بہرحال آپ میری بیوی بن چکی ہیں۔ آپ کے خیالات اور ارادوں کا میری فیملی کو پتا نہیں ہے اور انہیں پتا چلنا بھی نہیں چاہیے۔ باقی رہ گیا ڈاکٹر آفتاب کا مسئلہ تو اسے میں ہینڈل کر لوں گا۔ آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میری فیملی نے بڑے ارمانوں سے میری شادی کی ہے۔ کبھی خود سے ہٹ کر بھی سوچنا چاہیے۔"

آخر میں اس کا لہجہ سرد سا ہو گیا۔ چائے کا کپ اس نے واپس ٹرے میں رکھ کر پھر ایک سگریٹ سلگا لیا۔

ناشتے کے برتن واپس لینے کے لیے آنے والی لڑکیوں میں بہت سے نئے چہرے تھے جو حوریہ کے لیے یکسر اجنبی تھے۔ وہ سب ہنسی مذاق کر رہی تھیں۔ حوریہ سر جھکا کر بیٹھ گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان کے شوخ سوالوں کا کیا جواب دے۔

"آپ یہ سوٹ پہن کر آئیں' میں پھر آپ کا میک اپ کرتی ہوں' آپ کو نیچے لے کر جانا ہے کیونکہ پھوپھو کا حکم ہے۔ عورتیں آ رہی ہیں گاؤں کی۔ سب کو دولہن دیکھنے کا زبردست شوق ہو رہا ہے۔"

یہ اریبہ تھی شیر افگن کی ماموں زاد' شوخ اور منہ زور۔ اس نے خود ہی حوریہ کے لیے بہت اسٹائلش سا سوٹ نکالا۔ ساتھ میچنگ جیولری اور سینڈل بھی تھے۔ شیر افگن چینج کر کے نیچے جا چکا تھا۔

حوریہ کو بھی لڑکیاں مہمان خواتین کی طرف لے آئیں۔ اکثریت کی نگاہوں میں اس کے لیے پسندیدگی تھی۔

سارا دن عورتیں نئی دلہن کو دیکھنے آتی رہیں۔ سہ پہر کے بعد سب کھانا کھانے بیٹھے تو شیر افگن کی غیر موجودگی کا احساس ہوا۔ ایان اسے دوستوں کے درمیان سے بلا کر لایا تو اس نے بھوک نہ ہونے کا عذر کیا۔

حوریہ دیکھ چکی تھی اس نے صبح ناشتہ بھی نہیں کیا تھا صرف چائے کا ایک کپ لیا تھا اور اب بھی اس نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ یاسمین کھانے سے فارغ ہوئیں تو وہ ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔

"افگن! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟" اس کی سرخ سرخ آنکھیں جو شب بیداری کی چغلی کھا رہی تھیں یاسمین کو پریشان کر گئیں۔

"جی مما! میں ٹھیک ہوں بس سر میں درد ہے۔" اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

یاسمین نے جھک کر اس کا ماتھا چوما اور سر دبانے لگیں۔

"اب تمہاری بیوی آ گئی ہے اسی سے خدمتیں کراؤ اپنی۔" ٹی وی لاؤنج میں سب بیٹھے تھے۔ حوریہ ان کی بات پہ نروس سی ہو گئی کیونکہ سب کی توجہ ایک دم اس کی طرف ہو گئی تھی۔

"جاؤ اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو۔ تھوڑا سو لو' فریش ہو جاؤ گے۔ اور حوریہ بیٹا! تم بھی جاؤ اوپر۔ تھک گئی ہو گی بیٹھ بیٹھ کر۔"

انہوں نے باری باری دونوں کو حکم دیا۔ حوریہ کو تو دونوں ماموؤں کی بہوئیں لے آئیں تھام کر۔

شیرافگن [illegible] آنکھیں بند لیے پڑا رہا۔ انھوں نے زبردستی اسے اٹھایا۔

حوریہ کو اس نے توجہ سے نہیں دیکھا تھا مگر کمرے میں آنے کے بعد نظر رہ رہ کر اسی کی طرف اٹھ رہی تھی۔ کاپر اور سی گرین کلر کے سوٹ میں ملبوس وہ کل سے بھی زیادہ دلکش لگ رہی تھی۔ پھر وہ جو سویا تو چھ بجے کے بعد ہی اٹھا۔

آنکھ کھلنے پہ سامنے حوریہ ہی نظر آئی جو صوفے پہ بے زار کن انداز میں بیٹھی ہوئی تھی۔

"کیا ہوا ہے آپ کو۔۔۔؟" شیرافگن نے خود ہی مخاطب کیا۔

"کچھ نہیں۔" اس کے پوچھنے پہ وہ اور بھی پریشان نظر آنے لگی۔

اس سے پہلے کہ وہ کوئی اور بات کرتا۔ سائیڈ ٹیبل پہ پڑا اس کا سیل گنگنانے لگا۔ حوریہ کی بیسٹ فرینڈ ملائکہ کی کال تھی۔ اس نے کل بارات والے دن شیرافگن سے اس کا سیل نمبر لیا تھا۔ حوریہ کا تو نمبر ہی آف تھا۔

"السلام علیکم۔" شیرافگن نے سیل آن کر کے کہا۔ ملائکہ اس کی خیر خیریت پوچھ رہی تھی۔ شیرافگن نے کچھ دیر بعد اسے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ وہ ہنوز لیٹا ہوا تھا۔

"یہ لیں آپ بات کریں حوریہ سے۔" اس نے سیل فون حوریہ کے ہاتھ میں دیا۔

وہ اس وقت جتنی خوش ہوئی ملائکہ کی آواز سن کر پہلے کب ہی نہیں ہوئی تھی۔

"اور سناؤ کیا ہو رہا ہے؟"

"کچھ نہیں سوئی ہوئی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے اٹھی ہوں۔"

"اف یہ کون سا ٹائم ہے سونے کا؟" ملائکہ نے مصنوعی حیرت کا اظہار کیا۔

"رات کو بھی کافی لیٹ سوئی تھی۔ ابھی سہ پہر میں آنٹی نے کہا کہ جا کر آرام کرو۔"

"ایک دن میں ہی جنابہ کی نیندیں ڈسٹرب ہو گئی ہیں۔" ملائکہ کی کھلکھلاتی آواز سیل فون سے باہر تک آ رہی تھی۔ یقیناً شیرافگن بھی سن رہا تھا۔ "اور تمہارے ہزبینڈ کیسے ہیں۔ کیا لامہ دکھائی میں۔۔۔؟"

وہ چپ سی ہوئی تھی۔ تب ہی پاس لیٹے شیرافگن نے اس کے ہاتھ سے اچانک سیل فون لے لیا۔

"میں نے رونمائی میں ان کو اپنا آپ دے دیا ہے۔ پتا نہیں آپ کی دوست کو یہ گفٹ اچھا لگا کہ نہیں۔"

دوسری طرف سنتی ملائکہ پھر ہنس پڑی۔

شیرافگن اپنے مخصوص اسٹائل میں اس سے بات کرتا رہا جس میں اعتماد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔



ولیمہ اگلے روز تھا جو بہت دھوم دھام سے ہوا۔ لاہور سے عافیہ، نتاشا اور حنان اور حیدر بھائی گیارہ بجے تک پہنچ گئے تھے۔ عبداللہ ملک نے پوری برادری، دوستوں اور جاننے والوں کو مدعو کیا تھا۔

حوریہ اپنوں کو دیکھ کر بہت خوش تھی۔ عافیہ کھوجتی نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہی تھی۔ نتاشا حوریہ کے کندھے سے لگی اس کے کانوں میں اپنے مخصوص لاابالی انداز میں سرگوشیاں کر رہی تھی۔

"شیرافگن بھائی سے کچھ انڈراسٹینڈنگ ہوئی کہ نہیں ابھی تک؟ میں اور حنان تو ایک دوسرے کو پہلے سے جانتے تھے مگر آپ اور شیرافگن بھائی میں تو ایسا سلسلہ ہی نہیں تھا۔" اس کے سوالوں نے حوریہ کو زچ کر دیا تھا۔

اس کا بیڈ روم دیکھ کر اس نے ستائشی انداز میں سراہا تھا۔

"پورا کمرہ گلابوں سے بھر دیا، لگتا ہے آپ کے ہزبینڈ بہت رومینٹک ہیں۔" نتاشا کی سرگوشی اتنی اونچی تھی کہ شیرافگن کی کزنز نے بھی سن لی۔

"یہ تو حوریہ کو پتا ہو گا کہ کتنے رومینٹک ہیں۔۔۔ کیونکہ اتنی جلدی شادی کروائی ہے شیرافگن نے۔" یہ عاصمہ تھی۔ شیرافگن کی چچا زاد جس کی کچھ عرصہ پہلے شادی ہوئی تھی۔

حوریہ ان سب کے درمیان اکیلی تھی۔ شیرافگن قدرے سائیڈ پہ تھا۔ عاصمہ اسے بھی لے آئی۔

"حوریہ اتنی چپ چپ ہیں۔ کیا کر دیا ہے آپ نے؟" نتاشا اسے دیکھتے ہی شروع ہو گئی۔

"پوچھ لیں ان سے میں نے تو کوئی گستاخی نہیں کی ہے ابھی تک۔" شیرافگن نے جو بات کی تھی وہ اتنی مشکل بھی نہیں تھی جو حوریہ کی سمجھ میں نہ آتی وہ پانی پانی ہو گئی شرم سے۔

"آپ اتنے صبر والے لگتے تو نہیں ہیں افگن بھائی۔" یہ نادیہ تھی اس کی خالہ زاد، بڑے زور کا قہقہہ پڑا۔

"اور کیا آپ نے تو شور مچایا ہوا تھا کہ پندرہ دن میں شادی کرو میری۔۔۔"

"میری دلہن کو تنگ نہ کرو سب۔" اس نے بڑے پیار سے حوریہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

اس کے تاثرات سے لگ رہا تھا جیسے ابھی رو دے گی۔

"او ہو دو دن میں ہی اتنا خیال اور پیار۔" عاصمہ آنکھیں مٹکا کر بولی۔

"جی ہاں زندگی بھر کا جو ساتھ ہے۔" اس نے حوریہ کے حنائی ہاتھوں پہ اپنا مضبوط ہاتھ رکھتے ہوئے دبایا تو سب کے سامنے اس کی اس حرکت پہ حوریہ بری طرح نروس ہو گئی۔

"حوریہ کو نیند آ رہی ہے دو دن سے انہیں ریسٹ کرنے کا موقع نہیں ملا ہے تو آپ سب فی الحال انہیں اکیلا چھوڑ دیں اور کمرا خالی کریں۔"

شیرافگن نے سائیڈ ٹیبل سے اپنی رسٹ واچ اور موبائل بھی اٹھایا۔ وہ منتظر تھا ان سب کے جانے کا۔

"ہو ہو ہو ہو" عاصمہ نے شور مچا دیا۔ "کتنی اچھی قسمت ہے آپ کی کتنا پیار کرنے لگے ہیں افگن بھائی آپ سے۔۔۔ خوش نصیب ہیں آپ۔۔۔"

نتاشا نے کتنے رشک سے اسے دیکھا تھا۔

"ورنہ آج کل کنواری لڑکیوں کو بھی اتنے اچھے لڑکے نہیں ملتے۔۔۔" عافیہ نے اس تمام عرصے میں پہلی بار زبان کھولی تھی۔

اس کی آواز اتنی آہستہ تھی کہ صرف حوریہ تک ہی پہنچ پائی تھی۔ اس کا چہرا دھواں دھواں سا ہو گیا۔ عافیہ کو عجیب کمینی سی خوشی ہوئی۔

شیرافگن کی آنکھوں سے جذبات کے لپکتے شرارے اور محبت کا والہانہ اظہار اسے ایک آنکھ نہیں بھا رہا تھا۔

"ابھی آج تیسرا دن ہے۔ یہ چڑھتا دریا اترتے دیر نہیں لگے گی پھر تمہیں میری باتیں یاد آئیں گی۔ اس خوش فہمی میں نہ رہنا کہ شیرافگن تمہیں اسی طرح پیار کرتا رہے گا۔ اسے اور اس کی فیملی کو کچھ پتہ نہیں ہے کہ نوعمری میں تمہارا نکاح ہو چکا ہے اور یہ کہ تم بیوہ ہو شیرافگن نے تو تمہیں کنواری جان کر شادی کر لی مگر کل جب یہ بات کھلے گی تو کیا ہو گا؟ اس کی فیملی اور پورا خاندان تو تم نے دیکھ لیا ہے۔ شیرافگن کے لیے لڑکیوں کی کمی نہیں ہے۔ میں نے تو تمہارے بھائی سے کہا تھا کہ یہ صرف دو انسانوں کا نہیں دو خاندانوں کا معاملہ ہے آپ اتنی بڑی بات نہ چھپائیں مگر حیدر نہیں مانے۔ سو میں بھی چپ ہو گئی۔ اب خود ہی عقل سے کام لینا۔ ان آج کل کے لڑکوں کا پتا نہیں ہوتا، کبھی اس ڈال کبھی اس ڈال۔ میں تمہاری دشمن تو نہیں ہوں۔ پہلے ہی تم اتنے دکھ اٹھا چکی ہو۔ اسی وجہ سے میں نے راشد کے لیے تمہارا رشتہ مانگا تھا کہ سب کچھ معلوم ہے اسے اور وہ اس حقیقت سمیت تمہیں راضی خوشی قبول کر رہا تھا۔ اب سوچو ذرا کل جب یہ بات شیرافگن اور اس کی فیملی کو پتا چلے گی تو کیا ہو گا؟ سوچنا اس بات پہ۔ پھر کھوٹے کھرے کی پہچان ہو گی تمہیں۔"

عافیہ اس کے بالکل قریب جڑ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ باقی لڑکیاں جا چکی تھیں۔

نتاشا شیرافگن کے ساتھ سارا گھر دیکھ رہی تھی۔

حوریہ نے کتنی مشکل سے اپنا آپ سنبھالا تھا۔ عافیہ اپنے تئیں ہمدردی جتا کر اب سب سسرال والوں کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔

حوریہ کوئی پریشانیاں لاحق ہوگئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

دل تو پاگل ہے
دو کڑیاں لے کہ چپ کر جاؤ

”نہیں نہیں کڑیاں نہیں پڑیاں۔ کیونکہ دل کی بیماری میں کڑیوں (لڑکیوں) کی نہیں بلکہ پڑیوں (دوائی) کی ضرورت ہوتی ہے۔ دوائی کی پڑیوں کی۔“ عادل نے درستی کے نام پر ایان کی کلاس لے ڈالی تو پاس بیٹھی حوریہ ہنس پڑی۔

”شکر ہے رخ مبارک پہ ہنسی تو آئی۔ میں تو سمجھ رہا تھا ابھی رونے دھونے کا لمبا سا سیشن ہوگا اور مجھے ایک رومال لانا ہوگا۔“

”مجھے پتا ہی نہیں چلا ٹائم اتنا جلدی گزر گیا۔“ حوریہ نے بڑی محبت سے ان دونوں کی طرف دیکھا۔

وہ ان کے جانے کا سن کر اداس تھی۔ وہ دونوں کتنی دیر سے اسے ہنسانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایان الٹے سیدھے گانے گا رہا تھا۔ لطیفے سنا رہا تھا۔ بالآخر حوریہ ہنس ہی پڑی۔

شیر افگن، یاسمین اور عبداللہ ملک بھی ادھر ہی بیٹھے تھے۔ عادل نے کہا تھا ”آج رات جاگ کر گزاریں گے اور ڈھیر ساری باتیں کریں گے۔“

شیر افگن گاہے بگاہے نظر اٹھا کر اس کی طرف بھی دیکھ رہا تھا۔ عادل اور ایان کی کمپنی میں حوریہ کتنی خوش لگ رہی تھی۔ بات بے بات ہنسی لبوں سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔ جبکہ کمرے میں جب وہ اس کے ساتھ اکیلی ہوتی تو یوں بن جاتی جیسے صدیوں سے چپ رہنے کی قسم کھائی ہو۔

وہ رات باتیں کرتے ہوئے ہی گزری تھی۔ صبح سویرے انہوں نے چکوال سے لاہور کے لیے نکلنا تھا۔ حوریہ بار بار آنکھیں صاف کر رہی تھی۔ یاسمین نے شیر افگن سے کہا تھا پہلی فرصت میں تم نے حوریہ کو لے کر ہمارے پاس آنا ہے۔

ایک تلخ سی ہنسی نے اس کے چہرے کا احاطہ کیا تھا۔

کبھی کبھی شیر افگن کو شدید غصہ آتا۔ حوریہ نے اسے قربانی کا بکرا بنایا تھا۔ یہ بات ٹھیک تھی کہ اسے پہلے حوریہ سے کوئی محبت نہیں تھی وہ تو اسے حنان کی کزن ہونے کے ناتے سے جانتا تھا۔ اس نے روتے سسکتے ہوئے اپنی مجبوری بتائی اسے خدا کا واسطہ دے کر شادی کے لیے کہا۔

اس کی آنسوؤں اور واسطوں نے اسے یہ جھوٹ بولنے پہ مجبور کیا کہ مجھے حوریہ سے شدید محبت ہے اور مجھے اس سے شادی کرنی ہے بہت جلدی ورنہ اس کے گھر والے اس کی شادی کہیں اور کر دیں گے۔

حنان نے حوریہ کی گزشتہ زندگی کے بارے میں اسے سب کچھ بتا دیا تو شیر افگن نے اس سے کہا کہ فی الحال میری فیملی تک یہ بات نہ پہنچے۔ میں بعد میں موقع دیکھ کر خود ہی بتا دوں گا۔ عین وقت پر وہ بدمزگی نہیں چاہتا تھا اسی وجہ سے اس نے حوریہ کے نکاح اور بیوگی والی بات چھپالی۔

اسے حقیقتاً ”یہ سب جان کر دکھ ہوا تھا۔ اس کے لیے یہ بات قطعاً“ اہمیت نہیں رکھتی تھی کہ حوریہ پہلے کسی کی منکوحہ رہ چکی ہے۔ بلکہ اسے حوریہ سے ہمدردی ہوگئی کہ حوریہ نے اس ٹریجڈی کے بعد کتنا مشکل وقت گزارا ہوگا ورنہ اس کے گھر والے پچپن سال کے عمر رسیدہ شخص کے ساتھ کبھی اس کی شادی پہ راضی نہ ہوتے۔

نکاح کے بعد اس کے دل میں موجود بے نام سے جذبے کو نام بھی مل گیا تو دل خود بہ خود ہی اس کی طرف مائل ہونے لگا۔

شادی کی اولین رات اسے دلہناپے کے بھرپور روپ میں محو خواب دیکھ کر شیر افگن کے ان چھوئے ریشمی خواب جاگ پڑے۔ اس کا خیال تھا وہ اس کے جذبات کی پذیرائی کرے گی اس کی ممنون ہوگی۔

وہ اس کی پور پور کو محبتوں میں بھگونے کا خواب لے کر اس کے قریب آیا تھا۔ مگر کیا ہوا۔

حوریہ کو ایک محبت کرنے والے شوہر اور تحفظ کی

ضرورت نہیں تھی۔ بلکہ اسے ڈاکٹر آفتاب کے عفریت سے بچنے کے لیے عارضی سہارا درکار تھا۔ جو شیر افگن کی صورت میں مل چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

وقت رخصت حوریہ بار بار آنسو صاف کر رہی تھی۔ یاسمین نے جاتے وقت اسے پھر سینے سے چمٹایا تو بے اختیار سسکیاں اس کے لبوں کی قید سے آزاد ہو گئیں۔ کیسا سکون ملا تھا۔ کیسا ممتا بھرا احساس تھا ان کی آغوش میں۔ اس کا دل الگ ہونے کو چاہ ہی نہیں رہا تھا۔ کیسی اپنی اپنی سی خوشبو آرہی تھی ان کے وجود سے۔ عبداللہ ملک سے بھی ملتے وقت اس کی یہی حالت ہوئی۔

عادل اور ایان بھی بہت اداس تھے۔

”آپ نے بھائی کے ساتھ لازمی آنا ہے یو کے۔ میں آپ کو پورے ملک کی سیر کراؤں گا۔“ ایان نے اس کا نازک ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر دبایا۔

”شیر افگن! حوریہ کا بہت خیال رکھنا ہے۔ ہمیں شکایت کا موقع نہ ملے۔“ یاسمین نے جاتے وقت پھر یاد دہانی کرائی تو ایک تلخ سی مسکراہٹ اس کے لبوں پہ آگئی۔

ایئرپورٹ سے مما پپا کو چھوڑنے کے بعد شیر افگن اسے ساتھ لے کر چھوٹے چچا کی طرف آگیا۔ ساتھ ملک شجاعت بھی تھے۔

حوریہ بے چینی سی محسوس کر رہی تھی۔ اس کا دل یہاں رکنے کو نہیں کر رہا تھا۔ وہ فوراً“ سے بیشتر یہاں سے جانا چاہتی تھی۔ مگر کتنا مجبوری تھی۔

ایک رات گزار کر وہ دوبارہ چکوال کی طرف عازم سفر ہوئے۔

ملک شجاعت لاہور میں تھے انہوں نے کہا تھا کہ اب وہ باقی زندگی گاؤں میں ہی گزاریں گے۔

☼ ☼ ☼

شیر افگن کی شادی کے لیے لی جانے والی چھٹیاں ختم ہو رہی تھیں۔ اس نے دادا جان کو کال کر کے کہا کہ وہ انہیں لینے آرہا ہے وہ واپسی کے لیے تیار رہیں۔

وہ صبح ہی تیار ہو کر گاڑی لے کر چلا گیا تھا۔ حوریہ کو اس نے کچھ نہیں بتایا تھا۔ وہ پریشان سی تھی جانے کہاں گیا ہے۔

ایک بار اس کے جی میں آئی کہ پوچھے آپ کہاں ہیں۔ فون اس کے پاس موجود تھا۔ وہ کال کر سکتی تھی۔ ایک دو بار اس نے فون کرنے کی سوچی مگر پھر کچھ سوچ کر ارادہ بدل دیا۔

گھر میں کام کرنے والی ملازم عورتوں سے اس نے پچھلا احاطہ صاف کروایا جو درختوں سے گرنے والے پتوں سے اٹا ہوا تھا۔

گھر بہت بڑا تھا۔ دو مرد ملازم تھے، دو عورتیں تھیں۔ ایک چھوٹا لڑکا تھا اور ایک ڈرائیور تھا۔ عبداللہ ملک جانے سے پہلے یہ سب انتظام کر گئے تھے۔

حوریہ نے یاسمین اور عبداللہ ملک کے جانے کے بعد اوپر شیر افگن کے کمرے کے ساتھ ہی اپنے لیے بھی ایک کمرہ سیٹ کر کے ضروری چیزیں وہاں پہنچا دی تھیں۔ اب کوئی ڈر نہیں تھا کہ کسی کو پتہ چل جائے گا۔ ویسے بھی ایک دن اسے یہاں سے چلے ہی جانا تھا۔ پھر جو بھی جو کچھ بھی کہتا اسے پروا نہیں تھی۔

رات تک شیر افگن دادا جان کو لے کر گھر پہنچ چکا تھا۔ وہ حوریہ سے بہت پیار اور محبت سے ملے۔

شیر افگن نے ان سے کہا تھا کہ حوریہ آپ کے ساتھ گاؤں والے گھر میں ہی رہنا چاہتی ہے اسے فطرت سے قریب تر رہنا اچھا لگتا ہے۔

ملک شجاعت خود تنہائی سے اکتا کر چھوٹے بیٹے کے پاس لاہور رہ رہے تھے۔ انہوں نے عمر کا زیادہ حصہ گاؤں میں ہی گزارا تھا۔ تین سال پہلے جب انجائنا کا اٹیک ہوا تو بہو بیٹے انہیں لاہور لے آئے۔ اس کے بعد وہ وقتا“ فوقتا“ گاؤں آتے رہے مگر یہ وہم و گماں میں نہیں تھا کہ وہ دوبارہ گاؤں والے گھر میں رہائش اختیار کر سکیں گے۔ حوریہ نے ان کی خواہش پوری کر دی تھی۔

شیر افگن اگلے دن اتوار کو لاہور واپس آگیا۔



شیر افگن، عثمان علوی کے آفس میں بیٹھا ہوا تھا جو اس کا بہت اچھا دوست تھا۔

اسپیشل پولیس سروسز میں بہت حساس عہدے پہ کام کر رہا تھا۔ وہ ڈاکٹر آفتاب کے معاملے میں اس سے بات کرنے آیا تھا۔ ساری بات سننے کے بعد اس نے کہا کہ "فکر مت کرو، میں ساری معلومات حاصل کر کے تمہیں بتاؤں گا۔"

عثمان کی قابلیت پہ اسے بھروسہ تھا کہ وہ اس کی مطلوبہ معلومات اسے مہیا کر دے گا۔ اس کے بعد سوچنا تھا کہ کیا کیا جائے۔

حوریہ نے ڈاکٹر آفتاب کے رشتے سے اپنے انکار اور پھر اس کی دھمکیوں کے بارے میں تو بتا دیا تھا مگر یہ نہیں بتایا تھا کہ ڈاکٹر آفتاب نے اس سے پیسوں کی ڈیمانڈ کی ہے اور نہ یہ کہ عین شادی سے کچھ روز پہلے اس نے حیدر بھائی سے پیسے مانگے تھے۔ نہ اس نے یہ بتایا کہ میرے نام کچھ زمین اور جائیداد ہے۔

اپنے تئیں اس نے یہ بات چھپا کر عقل مندی کی تھی۔ کیونکہ اب اسے کسی پہ اعتبار نہیں رہا تھا۔ ڈاکٹر آفتاب کی ڈیمانڈ نے باور کرا دیا تھا کہ پیسہ اس کائنات کی بہت بڑی حقیقت ہے اس کے بغیر وہ بالکل زیرو اور بے وقعت ہے۔

عافیہ بھابھی کا انداز اس نے کتنا جلدی بدلتا دیکھا تھا۔ وہ زور و شور سے اسے بھابھی بنانا چاہ رہی تھیں حالانکہ پہلے ان ہی کا کہنا تھا کہ تمہیں کوئی کنوارا لڑکا قبول نہیں کرے گا پھر وہ خود ہی اپنے کنوارے بھائی کے لیے اسے راضی کرنا چاہ رہی تھیں۔ اسے پیسے کا کرشمہ ہی کہا جا سکتا تھا۔

شیر افگن کے گھر سے جانے کے بعد اسے یہ پیسہ ہی تحفظ دے سکتا تھا تب ہی تو اس نے یہ بات شیر افگن سے بھی چھپائی تھی۔ آخر باقی زندگی بھی تو اسے گزارنی تھی۔

کتنا اچھا ہوتا وہ بھی عام سی لڑکی کی طرح باقی دن بھی یہاں گزار سکتی مگر یہاں بھی گزشتہ زندگی کی تلخیاں آڑے آ رہی تھیں۔ اگر ان باتوں کی اہمیت نہ ہوتی تو حیدر بھائی شیر افگن سے سب کیوں چھپاتے۔

وہ اپنی آنکھوں کو سختی سے اس کے خواب دیکھنے سے روک چکی تھی۔ وگرنہ دل تو چاہتا تھا۔ اس کے شانوں پہ سر رکھ کر تمام آنسو بہا دے۔ اپنی تمام پریشانیاں اس کے سپرد کر کے سکون سے سو جائے۔

مگر خواہشوں پر کس کا زور چلا ہے۔ اپنی سوچوں کی شوریدہ سری سے وہ خود بھی ڈر ڈر جاتی۔ وہ اونچا لمبا کڑیل مضبوط سا نوجوان نظر انداز کیے جانے کے قابل تو نہیں تھا۔ وہ سامنے آتا تو حوریہ دیکھنے سے بھی اجتناب کرتی۔

وہ نہ ہوتا تو خواہشیں اسے پکارتیں۔ خوابوں کی وادی میں اس کا پیچھے چلتے چلتے وہ تھک کر نڈھال ہو جاتی۔

اس نے حوریہ کے خیالات اور ارادے جان کر اس کے ساتھ زبردستی کوئی تعلق بنانے سے سختی سے خود کو روکا تھا۔ کیا تھا وہ "کوئی فرشتہ" "کوئی مسیحا" انسان یا پھر کچھ اور۔

وہ ابھی تک اسے جان نہیں پائی تھی۔

کہیں ہم اپنی قسمت کا لکھا تبدیل کر لیتے
تو شاید ہم بھی اپنا راستہ تبدیل کر لیتے
جدائی بھی نہ ہوتی زندگی سہل بھی ہو جاتی
جو ہم اک دوسرے کا مسئلہ تبدیل کر لیتے



آج موسم خاصا سرد تھا۔ شمال سے آنے والی سرد ہواؤں نے پورے ماحول کو یخ بستہ کر دیا تھا۔

ثمینہ نے دادا جان کے کمرے کا آتش دان بہت سی لکڑیاں جلا کر روشن کر دیا تھا۔ حوریہ ان کے پاس بیٹھی باتیں کر رہی تھی۔ کچھ دیر پہلے ہی وہ گرم گرم چائے خود بنا کر لائی تھی۔ دادا جان شیر افگن کو یاد کر رہے تھے۔ حوریہ کا دل دھڑک اٹھا۔

پندرہ دن سے زیادہ ہو گئے تھے اسے لاہور گئے

ہوئے۔ اس دوران اس نے حوریہ سے کس طرح کا بھی رابطہ نہیں کیا تھا۔ ہاں دادا جان کو وہ روزانہ کال کرتا۔ گیٹ پہ گاڑی کا ہارن مسلسل بج رہا تھا۔

آنے والا شیر افگن کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ ہارن اس کی گاڑی کا تھا۔ ٹھیک دو منٹ بعد وہ ان کے سامنے تھا۔

ملک شجاعت نے لمبے چوڑے شیر افگن کو سینے سے لگایا۔

بے تابی سے اس کا ماتھا چوما۔ حوریہ نے حسرت سے ان دونوں کو دیکھا۔

وہ دادا جان سے ملنے کے بعد اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"کیسی ہیں آپ؟"

"میں ٹھیک ہوں۔" حوریہ نے اس کی طرف سے نظر ہٹالی تھی۔

دادا جان اس سے شکوے کر رہے تھے۔

"کتنے دن لگا دیے اس بار۔"

"دادا جان! جاب میں یہ سب چلتا ہی ہے۔" وہ ہنس کر بولا۔

"حوریہ بھی بہت پریشان رہی۔"

"کیوں؟" اس کی نگاہ اچانک دادا جان کے پہلو میں بیٹھی سر جھکائے حوریہ کی طرف اٹھی۔

"کیوں کے کچھ لگتے... شادی کے فوراً" بعد اسے چھوڑ کر چلے گئے ہو، پریشان نہیں ہوگی تو خوش ہوگی کیا..." انہوں نے اسے تقریباً" ڈانٹ دیا۔

وہ شرمندہ ہونے لگی۔

"ان کی اپنی مرضی تھی گاؤں میں رہنے کی۔ میرا تو کوئی قصور نہیں ہے۔" اس نے اپنی طرف سے ان کی توجہ ہٹانے کی کوشش کی اور کافی کامیاب بھی رہا۔

دادا جان نے حوریہ کو اس کے لیے کھانے کا انتظام کرنے کو کہا۔ وہ جا کر ثمینہ سے کہہ آئی۔ پھر ثمینہ نے ہی کھانا لگا کر شیر افگن کو بلایا۔

کھانے کے بعد اسے کافی کی طلب ہو رہی تھی۔ وہ حوریہ خود بنا کر لائی کیونکہ ثمینہ کو بنانا نہیں آتی تھی۔

جونہی اس نے پی کر کپ رکھا، دادا جان نے اپنی طرف سے گڈ نائٹ کہہ دیا۔

"میں سونے لگا ہوں تم دونوں بھی جاؤ اور حوریہ! تم اوپر جاؤ۔ جاتے ہوئے دروازہ بند کر جانا۔"

انہوں نے بیڈ پر دراز ہو کر کمبل ٹانگوں پہ ڈال لیا۔ یہ ان کی طرف سے اعلان تھا کہ اب تم لوگ بھی جاؤ۔ انہوں نے آج حوریہ کو بھی اوپر جانے کو کہا تھا۔ ان کی حد درجہ توجہ پہ وہ نروس ہو رہی تھی۔

شیر افگن تو تھکا ہوا تھا۔ بیڈ روم میں آکر اس نے پہلے شاور لیا پھر چینج کیا۔ وہ بال خشک کرتا باتھ روم سے باہر نکل رہا تھا جب اس نے نیلے رنگ کے آنچل کی ہلکی سی جھلک دیکھی۔ حوریہ اس کے کمرے میں دودھ رکھنے آئی تھی اور پھر ان ہی قدموں پلٹ گئی تھی۔ وہ ساتھ والے بیڈ روم میں تھی۔

✡ ✡ ✡

نو بج گئے تھے۔ وہ ابھی تک بیدار نہیں ہوا تھا۔ اس کے بیڈ روم کا دروازہ بند تھا۔ دادا جان صبح کے جاگے اس کے انتظار میں تھے، وہ اٹھے تو ناشتہ اکٹھے کریں۔ حوریہ آٹھ بجے نیچے آئی تھی۔ ثمینہ ناشتے کا اہتمام کر رہی تھی۔

دادا جان سے رہا نہیں گیا آخر۔ حوریہ سے کہا کہ "دیکھو شیر افگن جاگ گیا ہے کہ نہیں اگر نہیں جاگا تو اسے جگا کر لے آؤ۔"

ان کا حکم وہ ٹال نہیں سکتی تھی۔ مرتی کیا نہ کرتی کے مصداق اس کے بیڈ روم کے دروازے پہ پہنچ گئی۔ اس نے دستک دینے کے لیے دروازے پہ ہاتھ مارا۔ دروازہ لاک نہیں تھا کھلتا چلا گیا۔

وہ نہا کر بالوں میں برش کر رہا تھا۔ آہٹ پہ اسے دیکھ کر چونکا۔

حوریہ نے نگاہ چرالی۔ اس نے صرف پینٹ پہنی ہوئی تھی شرٹ بیڈ پر ہینگر میں تھی۔

"دادا جان آپ کو بلا رہے ہیں کہہ رہے ہیں اکٹھے ناشتہ کریں گے۔" وہ جلدی جلدی بول کر پلٹی۔

"بات سنیں۔" اس نے جاتی حوریہ کو پکارا۔ وہ اپنی شرٹ اور پینٹ کی پاکٹ ٹٹول رہا تھا۔

"جی!" وہ پاس نہیں آئی دور سے ہی دیکھتی رہی۔

والٹ سائیڈ ٹیبل پہ پڑا تھا۔ یاد آنے پہ اس نے وہاں سے اٹھایا۔

"حوریہ! یہ آپ رکھ لیں ضرورت پڑ جاتی ہے۔" خاموش کھڑی حوریہ کے ہاتھ میں اس نے تقریباً" زبردستی کچھ نوٹ تھمائے۔ وہ اس کے بہت قریب کھڑا تھا۔

"اگر اور ضرورت ہو تو بتا دیجیے گا کیونکہ جب تک آپ یہاں ہیں کلی طور پر میری ذمہ داری ہیں۔"

اس نے حوریہ کے پاس سے گزر کر بیڈ سے اپنی شرٹ اٹھائی۔ اس دوران حوریہ سے اس کا کندھا نہ چاہتے ہوئے بھی ٹچ ہوا تھا۔ وہ عین سامنے کھڑی تھی۔ وہ دوبارہ باتھ روم میں چلا گیا۔

شیر افگن کے مردانہ لمس کو پہلی بار اس نے شدت سے محسوس کیا۔

✡ ✡ ✡

عثمان کے آفس میں وہ اس کے سامنے موجود تھا۔ عثمان نے ہی بلوایا تھا کہ ڈاکٹر آفتاب اور اس کی فاؤنڈیشن کے بارے میں میرے پاس بڑی اہم معلومات ہیں۔ "تم آؤ تو ڈسکس کریں۔" آفس سے فارغ ہونے کے بعد وہ اسی کی طرف چلا آیا۔

عثمان اسی کے انتظار میں تھا۔ اس کے پاس بڑے چونکا دینے والے انکشافات تھے۔

"بھئی یہ ڈاکٹر آفتاب تو اعلا درجہ کا فراڈیا نکلا ہے۔ ڈاکٹر آفتاب فاؤنڈیشن کے تحت چلنے والے پروجیکٹ میں سے ایک "آفتاب سرجیکل اینڈ میڈیکل کمپلیکس" ہے اور ایک بہت اہم "نیو یارک چائنا اسپتال" ہے جس بارے میں ڈاکٹر موصوف کا دعوا تھا کہ یہ پاکستان میں اپنی نوعیت کا واحد اسپتال ہے۔ اور یہاں چائنیز طریقہ علاج مریضوں پہ استعمال کیا جاتا ہے۔ لاہور میں یہ ہاسپٹل قائم ہوئے چھ سال ہو گئے ہیں۔ اس سے پہلے لاہور میں ڈاکٹر آفتاب کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ لیکن یہاں قدم جمانے کے ساتھ ہی اس نے اپنے دیگر پروجیکٹ بھی اسٹارٹ کر دیے۔

یوں اس کی شہرت بڑھتی گئی۔ کمزور عقیدے والے تو اسے اللہ والا سمجھنے لگتے۔ کیونکہ اپنی باری آنے پہ جو مریض بھی اندر جاتا ڈاکٹر موصوف کو قرآن پڑھتا ہوا ہی دیکھتا۔ چرب زبانی اسی پہ ختم تھی۔

ہر قسم کے مریضوں کو وہ فوراً" ٹیسٹ کے لیے بھیج دیتا۔ اور کم پیسوں کے لالچ میں مریض ٹیسٹ کرا لیتے۔ غریب مریضوں سے ڈاکٹر صاحب کم پیسے بھی لے لیتے۔ جو ایڈمٹ ہوتا۔ اسے کھانا، میڈیسن سب کچھ ہاسپٹل سے مل جاتا۔ مریضوں کی تیمارداری کے لیے خوبصورت نرسیں چوبیس گھنٹے دستیاب ہوتیں۔ کچھ تو مستقل ہاسپٹل میں ہی رہ رہی تھیں۔ ڈاکٹر آفتاب کے آفس کے پیچھے وی آئی پی روم کے نام سے ایک وارڈ ہے۔ نرسز اور ڈاکٹر آفتاب کی خوبرو سیکریٹری بھی وہیں رہتے تھے۔

ڈاکٹر آفتاب جس بات کے لیے مشہور تھا وہ یہ تھی کہ وہ دس دن میں ہر مرض ہر بیماری کے علاج کا دعوے دار تھا۔ ہر مریض جب ایڈمٹ ہوتا تو اس کے جسم کے سارے ٹیسٹ کیے جاتے پھر بتایا جاتا کہ تمہیں فلاں فلاں بیماری ہے۔ دس دن کے بعد جب ڈسچارج کیا جاتا تو از سر نو ٹیسٹ کروائے جاتے۔ یہ ٹیسٹ ڈاکٹر شعیب کی زیر نگرانی کیے جاتے جو آرمی کا سابقہ کیپٹن تھا۔

پھر ان ٹیسٹ سے پتہ چل جاتا کہ مریض کو اب وہ بیماری یا بیماریاں نہیں ہیں جس کا شکار ہو کر وہ یہاں آیا تھا۔ پھر ان سے ایک فائل میں ان کے خیالات لکھوائے جاتے۔ ظاہر ہے وہ اچھے ہی ہوتے۔

یوں مریض خوش خوش گھر جاتا کہ وہ مکمل صحت یاب ہو کر جا رہا ہے۔ اس کے بعد مریض چیک اپ کے لیے بھی آتا جس میں ہر چکر میں پانچ سے سات ہزار ایک ماہ کی دوائی کے طور پہ وصول کیے جاتے۔ ایک مریض کے ریفرنس سے اور بھی مریض آجاتے

یوں اسپتال کا کام زور و شور سے چل رہا تھا۔
ہومیو پیتھک ڈاکٹر نے آپریشن تھیٹر بھی بنایا ہوا تھا۔ جہاں ہر طرح کے آپریشن کیے جاتے اور بھاری فیس وصول کی جاتی۔ یہ ڈاکٹر ہومیو پیتھی، ایلو پیتھی، آکو پنچر کے ساتھ قرآنک تھراپی کے ذریعے بھی علاج کا دعویدار ہے۔
ہاسپٹل کے ساتھ ڈاکٹر آفتاب نے ایک این جی او بھی بنائی ہوئی ہے اور بے سہارا یتیم بچوں اور عورتوں کے لیے ایک ادارہ بھی ہے جس کے بارے میں بڑے بڑے دعوے کیے جاتے ہیں۔ خیر یہ سب تو ہے ہی۔ ڈاکٹر آفتاب کا بیک گراؤنڈ بہت انٹرسٹنگ ہے۔
لاہور میں جو اس کے بارے میں سامنے ہے، وہی پتہ ہے سب کو لیکن لاہور سے پہلے وہ کہاں تھا کسی کو نہیں پتہ۔ اس نے کہا تو یہی کہ وہ ملک سے باہر اپنے فرائض سرانجام دے رہا تھا۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔
ڈاکٹر آفتاب لاہور آنے سے پہلے پنڈی اڈیالہ روڈ گلشن آباد میں اپنا ہی دھندا چلا رہا تھا۔ وہاں اس سے کچھ بے احتیاطی ہوگئی تھی جس کی وجہ سے اس کا پول کھلنے کے قریب تھا سو وہ وہاں سے اسپتال ختم کرکے لاہور میں آگیا یہاں بھی اس کی یہی سرگرمیاں تھیں۔
ڈاکٹر آفتاب نے پوش علاقے میں گھر لیا جہاں ماڈرن اونچے گھرانوں کے لڑکے لڑکیوں کی آمدورفت دن رات جاری رہتی۔ عشق کے مارے لڑکے یہ اونچے گھرانوں کے بچے اپنا وقت رنگین گزارنے کے عوض ٹھیک ٹھاک پیسہ ادا کرتے۔
اسپتال میں کام کرنے والی تقریباً سب لڑکیاں نہایت غریب گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ ڈاکٹر آفتاب نے چن چن کر خوبصورت لڑکیوں کو رکھا تھا۔ یہ لڑکیاں بظاہر مریضوں کی خدمت کے لیے تھیں مگر درحقیقت یہ کون سی خدمات سرانجام دیتیں سب کو ہی معلوم ہوچکا تھا۔
ڈاکٹر آفتاب نے شادی کے نام پر بے شمار مجبور عورتوں کا پیسہ کھایا۔ ان کی جائیداد ہضم کروالی۔

آفتاب نے اپنے اغوا کا ڈرامہ رچا کر تاوان میں خاصی تگڑی رقم وصول کی۔
ایسی بے شمار عورتوں سے اس نے شادی کی۔ انسانیت کے سہارے کے نام پر انسانوں کے مسیحا کے نام سے اس دو چہروں والے ڈاکٹر نے عورتوں کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کیا۔ شادی اس کے لیے دوسرے الفاظ میں آمدنی کا ذریعہ تھی۔
ڈاکٹر آفتاب کا اپنا بیٹا اور بھائی سمیت اس کی دونوں بیٹیاں بھی اس مذموم کام میں اس کے ساتھ رہیں۔
ڈاکٹر آفتاب کا بیٹا جعلی ڈاکٹر ہے اور خیر سے وہ بھی باپ کے نقش قدم پہ چل رہا ہے۔ ایک بیٹی بھی جعلی ڈاکٹر ہے۔ لیکن لاہور آنے کے بعد اس نے اسپتال جوائن نہیں کیا۔" شیرافگن پوری دلچسپی سے سن رہا تھا۔
"ابھی تازہ صورتحال سنو گے تو خوش ہو جاؤ گے۔ ڈاکٹر آفتاب نے ضرورت ہے کا اشتہار دیا تھا اسے اسپتال کے لیے نرس کی ضرورت تھی۔ خیر نرس اس نے منتخب کرلی۔
کچھ ہی دنوں میں اس نرس کو یہاں جاری جعلی سرگرمیوں کا علم ہوگیا یہ نرس کوالیفائیڈ تھی۔ اس نے کچھ بے ایمانیاں پکڑلیں۔ یہاں ٹیسٹ کے بعد غلط جعلی رپورٹس بنائی جاتیں۔ اسے شک ہوا۔ اس نے اپنی ایک مریض رشتہ دار کو ڈاکٹر آفتاب کے پاس جانے کو کہا نرس بیماری کی نوعیت سے اچھی طرح آگاہ تھی۔ وہاں جانے کے بعد ان خاتون کے کچھ ٹیسٹ کیے گئے اور انہیں دنیا جہاں کی بیماریاں بتائی گئیں۔
نرس کو پوری طرح یقین ہوگیا کہ یہاں مسیحائی کی آڑ میں اور کچھ ہو رہا ہے۔ حقیقت کھلنے پہ اس نے خاموشی سے جاب چھوڑدی۔
اس نے اپنی ایک دوست سے اسپتال کے بارے میں ذکر کیا۔ اتفاق سے اس دوست کی والدہ نے بھی ہزاروں روپے لگا کر ڈاکٹر آفتاب سے علاج کروایا تھا۔ بات نکلتے نکلتے ایک صحافی تک پہنچ گئی۔ اس سے اہل محلہ نے ڈاکٹر آفتاب کے بارے میں کچھ شکایتیں کی

تھیں وہ بھی اسی علاقے کا رہنے والا تھا جہاں اسپتال تھا۔
وہ صحافی اپنی ٹیم اور کیمرامین کے ساتھ اسپتال پہنچ گیا۔ وہاں ڈاکٹر آفتاب نے پہلے دھمکیاں دیں پھر غنڈے بلوالیے پھر آخر میں رشوت کی پیشکش کی۔ لیکن اس نے یہ چونکا دینے والا سچ ایک اخبار کو دے دیا۔
اپنی رپورٹ میں اس نے چشم کشا حقائق کا ذکر کیا۔ ڈاکٹر آفتاب نے اپنے تعلقات کام میں لانے چاہے مگر بات بہت اوپر تک چلی گئی اور ور دراز رسی کس دی گئی۔ ڈاکٹر آفتاب اب جیل میں ہے۔"
عثمان علوی نے اخبارات اس کے سامنے رکھے جس میں ڈاکٹر آفتاب کے کالے کرتوتوں کا ذکر تھا۔
"اور ہاں ڈاکٹر موصوف آرمی میں ڈاکٹر نہیں تھے اسے ناپسندیدہ سرگرمیوں میں ملوث ہونے کی بنا پر آرمی سے نکال دیا گیا تھا۔ یہ کچھ عرصہ پاکستان سے غائب رہا۔ واپس آیا تو ڈگریوں کی قطار اپنے نام کے ساتھ لگالی جو کہ ظاہر ہے جعلی اور خود ساختہ تھیں ویسے ایک بات ماننے کی ہے بندہ بہت جینئس ہے۔ اتنے سال لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکتا رہا۔
اس نے لوگوں کے سامنے اپنی ایک ہی شادی ظاہر کی تھی ابھی بعد میں اس حقیقت کے بعد اس کی کئی بیویاں سامنے آئی ہیں جو اسی ایک سانپ کی ڈسی ہوئی ہیں۔ سنا ہے اب ڈاکٹر آفتاب ایک کم عمر لڑکی سے شادی کے چکر میں تھا وہ لڑکی بھی صاحب جائیداد اور تعلیم یافتہ تھی ورنہ اس سے پہلے اس نے جتنی بھی شادیاں کیں سب بیویاں واجبی تعلیمی منظر کی حامل تھیں اس کی سیکریٹری جو اس کی بیوی بھی ہے۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ ڈاکٹر اس لڑکی سے شادی کرے کیونکہ اس کا خیال تھا کہ ڈاکٹر اس کو چھوڑ نہیں پائے گا۔ اس نے دھمکی دی اگر ڈاکٹر نے اس لڑکی سے شادی کی تو وہ سارا بھانڈا پھوڑ دے گی۔ مجبوراً" ڈاکٹر کو شادی سے پہلے پیسوں کا مطالبہ کرنا پڑا اور وہ لڑکی بچ گئی۔ بہت بڑا جھوٹا ہے یہ شخص۔ اتنا کافی ہے یا کچھ اور بھی بتاؤں

اس جعلی ڈاکٹر کے بارے میں....؟" عثمان نے اس کی دلچسپی محسوس کرلی تھی۔
"نہیں جو مجھے معلوم ہوا ہے وہ کافی ہے۔" ایک دبا دبا جوش اس کے چہرے سے جھانک رہا تھا۔ عثمان سے تمام اخبارات اس نے لے لیے۔
حوریہ کو سنانے کے لیے اس کے پاس بہت بڑی خوش خبری تھی۔ جس ڈاکٹر آفتاب کی دھمکیوں سے گھبرا کر اس نے اپنی نسوانی انا کو داؤ پر لگایا تھا اپنے مزاج سے ہٹ کر بے باکی کا مظاہرہ کیا تھا اب اس شخص سے اسے ڈرنے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ وہ اپنے انجام کو پہنچ چکا تھا اور شاید اس کے ساتھ ساتھ ان کی مجبوری کا رشتہ بھی۔
سوچتے ہوئے وہ معمول سے زیادہ افسردہ تھا۔



دادا جان اسے سامنے پاکر بہت خوش ہوئے۔ وہ ابھی ابھی گھر پہنچا تھا۔
حوریہ تیار ہو رہی تھی۔ ساتھ والے گاؤں میں ملک شجاعت کے دوست کے پوتے کی مہندی تھی، انہیں ادھر ہی جانا تھا۔ وہ کہیں آتی جاتی نہیں تھی۔ دادا جان نے ہی اسے ساتھ لے جانے پہ راضی کیا تھا۔
اب شیرافگن آگیا تھا تو وہ اسے بھی ساتھ لے جانے کو کہہ رہے تھے۔ وہ تیار ہوکر دادا جان کی طرف آئی تو اسے خلاف توقع سامنے پاکر ٹھٹک سی گئی۔ شیرافگن نے خود ہی خیریت دریافت کی۔
بلیک کلر کی اوپن لانگ شرٹ اور چوڑی دار پاجامے میں ملبوس وہ بڑی نکھری نکھری سی نظر آرہی تھی۔ دادا جان نے شیرافگن کو بھی تیار ہونے کو کہا۔
وہاں پہنچنے کے بعد دادا جان تو تقریباً" گھنٹہ ہی وہاں رکے اور پھر شیرافگن سے کہا کہ مجھے گھر چھوڑ آؤ۔ ابھی فنکشن چل رہا ہے۔ حوریہ کو بعد میں آکر لے جانا۔ وہ انہیں گھر چھوڑ کر دوبارہ گیا۔ رات کافی زیادہ ہوگئی تھی۔ حوریہ اس کے پیغام بھیجے جانے پہ باہر آئی۔

وہ گاڑی کا اگلا دروازہ کھولے اسی کا منتظر تھا۔ وہ آگے بیٹھتے ہوئے جھجک سی گئی۔

باہر رات کا خاموش سناٹا اپنے اندر جانے کون کون سی داستانیں سمیٹے ہوئے تھے۔ خاموشی سے اکتا کر شیر افگن نے میوزک آن کر دیا۔ یہ تو طے تھا وہ اسے خود سے مخاطب کرنے والی نہیں تھی۔

تُو ہی حقیقت خواب تُو
دریا تُو ہی پیاس تُو
تُو ہی دل کی بے قراری تُو ہی سکوں
ہم سفر تو ہم قدم تُو ہم نوا میرا

خاموشی کا طلسم بڑی سچائی بیان کر رہا تھا۔ یہ لڑکی اس کے دل میں چھپے خالص جذبات کو کیوں نہیں سمجھ رہی تھی۔ شیر افگن نے بھی کوئی بات نہیں کی۔

دادا جان سو چکے تھے۔ اوپر پہنچ کر اس نے پہلے کپڑے بدلے پھر کھلے بالوں کی چوٹی بنائی۔ بیڈ کی پائنتی پڑا کمبل کھول کر اس نے جونہی اوڑھا' باہر بیڈ روم کے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

"کون ہے؟" وہ بند دروازے کے پاس جا کر آہستہ آواز میں بولی۔ الجھن میں تھی کہ کون ہے۔

"حوریہ! میں ہوں دروازہ کھولیں۔" شیر افگن تھا۔ پہلے اس کے جی میں آئے نہ کھولے شاید وہ ایسے ویسے ارادے کی نیت سے آیا ہو مگر دماغ نے اس کی یہ دلیل اسی وقت مسترد کر دی سو اس نے دروازہ کھول دیا۔

"یہ لیں کچھ نیوز پیپر ہیں' آپ کے لیے خوشخبری ہے۔ صبح آپ سے تفصیل سے بات کروں گا۔" وہ وہیں سے اخبارات اس کے ہاتھ میں تھما کر پلٹ گیا۔ وہ دروازہ لاک کر کے اندر آ گئی۔

اس اخبار میں اس کے لیے زندگی کی نوید تھی۔ اس نے اخبار کھولا۔ جلی حروف میں چونکا دینے والی سرخیاں تھیں۔

جعلی ڈاکٹر آفتاب لوگوں کی زندگیوں سے کھیل رہا ہے۔

انسان کے روپ میں بھیڑیا۔

ڈاکٹر آفتاب کا جعلی ڈاکٹر بیٹا اسپتال میں کیا کرتا ہے۔

خوبرو لڑکیاں' ڈاکٹر آفتاب کے اسپتال میں کیا کرتی ہیں۔

ہومیو پیتھک ڈاکٹر نے کس قانون کی رو سے اپنے ہاسپٹل میں آپریشن تھیٹر بنا رکھا ہے وہ کون سا ایس ایس پی ہے جو اس کی ایک کال پہ پانچ منٹ میں آ جاتا ہے۔ ڈاکٹر آفتاب کے غنڈوں نے صحافی کو پیٹ ڈالا۔

رشوت کی پیشکش۔

ڈاکٹر کی خوبرو سیکریٹری چھ ماہ کے دوران ایک بار بھی گھر نہیں گئی کیوں؟ ان سارے جوابوں کی تفصیل اندرونی صفحات میں تھی۔

جوں جوں وہ پڑھتی گئی' اس کے چہرے کا رنگ بدلتا گیا۔

اب تو اس کی آنکھوں سے نیند روٹھ گئی تھی۔ وہ بے چینی سے صبح کا انتظار کر رہی تھی کہ کب شیر افگن بیدار ہوتا ہے اور اس سے بات ہوتی ہے۔

پہلے ایک بار جی میں آئی اس کے کمرے میں جا کر ابھی بات کرلے پھر خود ہی اپنے خیال کو رد کر دیا۔

سرما کا چاند کھلی کھڑکی سے اندر جھانک رہا تھا۔ اس نے اٹھ کر کھڑکی بند کرنی چاہی تو ٹھٹک گئی۔ باہر ٹیرس پہ شیر افگن کھڑا تھا۔

"یہ اس وقت یہاں کیا کر رہے ہیں؟" اس نے کھڑکی بند کر کے پردے گرا دیے۔

بے آواز طریقے سے اس نے ٹیرس کی سمت کھلنے والا دروازہ کھولا۔ وہ مغربی دیوار پہ دونوں بازو ٹکائے آگے جھانک رہا تھا۔ آہٹ پہ اسے دیکھ کر چونکا۔

"آپ ابھی جاگ رہی ہیں۔" حوریہ کو اس کی آواز معمول سے زیادہ بھاری اور گھری سی محسوس ہوئی جس سے ایک اضطراب اور بے کلی سی جھانک رہی تھی۔

"مجھے نیند نہیں آ رہی ہے۔" اس سے قدرے فاصلے پہ وہ بھی ریلنگ پہ بازو ٹکا کر کھڑی ہو گئی۔

"تمہاری نیند نہ آنے کی وجہ مجھے پتا ہے۔" وہ دل میں سوچ ہی سکا۔

"دادا جان کل لاہور جا رہے ہیں۔" شیر افگن نے بے تاثر لہجے میں بتایا۔

"کیوں؟"

"میرا ٹرانسفر اسلام آباد میں ہو گیا ہے سو وہ چھوٹے چچا کے پاس جا رہے ہیں۔" اس نے اب سگریٹ سلگا لیا تھا۔

اس ٹھنڈ میں بھی وہ ہلکی سی نائٹ شرٹ پہنے ہوئے تھا' حوریہ کو اسے دیکھ کر خود سردی لگنے لگی۔

"آپ جا کر سو جائیں' اطمینان سے کل بات ہو گی جو آپ کرنا چاہ رہی ہیں۔" وہ سگریٹ کے لمبے لمبے کش لگا رہا تھا۔

حوریہ کو اپنی توہین سی محسوس ہوئی جیسے وہ اسے یہاں سے بھگانا چاہ رہا ہے۔ پھر اس نے کوئی بات نہیں کی' اپنے کمرے میں آ گئی۔

باہر شیر افگن ٹیرس پہ پڑی کرسیوں میں سے ایک گھسیٹ کر بیٹھ چکا تھا۔ دوسری پہ اس کی ٹانگیں دھری تھیں۔

دادا جان کل لاہور جا رہے تھے۔ اس نے اسلام آباد ٹرانسفر کرائی تھی۔ سو دادا جان سمیت سب کو اس نے یہی کہا تھا کہ وہ حوریہ کو اپنے ساتھ لے کر جائے گا۔

شروع میں پریشانی تو ہونی تھی سب کے سوالوں کا سامنا کرنا تھا۔ مما پپا کی ناراضی سہنی تھی۔ کتنا حیران ہوں گے سب یہ سن کر کہ حوریہ اسے چھوڑ کر چلی گئی ہے اس کی محبت' من چاہی بیوی اسے چھوڑ کر چلی گئی ہے شادی کے محض چار ماہ بعد..... ہاہا.... اس کے اندر کوئی ہنسا۔

مما پپا' دادا جان کو وہ کیسے حقیقت بتا پائے گا کہ وہ قربانی کا بکرا بنایا گیا ہے۔ جس لڑکی کو وہ مظلوم و بے بس اور لاچار سمجھا تھا۔ اسے سرے سے کسی تحفظ کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ اسے عارضی طور پر ایک سہارے کی ضرورت تھی اور اب اس کی ضرورت پوری ہو گئی ہے اور اس کا کوئی کردار بھی نہیں ہے اس ڈرامے میں۔ سوچتے ہوئے اس کی آنکھیں غصے سے دہکنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

دادا جان کو ڈرائیور لاہور چھوڑ آیا تھا۔

جانے سے پہلے حوریہ کے بارے میں انہوں نے شیر افگن کو ڈھیروں ہدایات دی تھیں۔ سن کر وہ دل میں خوب ہنسا۔

"دادا جان! ان محترمہ کو ہماری محبت' توجہ اور پیار کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے دل میں تنفر سے سوچا۔

☼ ☼ ☼

وہ بول رہا تھا اور حوریہ صرف سن رہی تھی۔ چپ چاپ بے حس و حرکت کسی بت کی طرح ساکت۔

"ڈاکٹر آفتاب کی تمام حقیقت آپ پر کھل گئی ہے' شکر کریں کہ اس شخص سے بچ گئی ہیں۔ خود کو وہ ناقابل تسخیر تصور کرتا تھا مگر اس کا انجام آپ کے سامنے ہے' اب آپ کو ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ حالات اب آپ کے حق میں ہو چکے ہیں اور آپ مضبوط پوزیشن کی بھی مالک ہیں سو اب آپ کے یہاں رہنے کا کوئی بھی جواز نہیں بنتا۔

آپ اس گھر سے اپنی مرضی سے جو بھی چاہیں لے جا سکتی ہیں۔ آپ پیکنگ کر لیجیے گا اور جہاں بھی کہیں میں آپ کو چھوڑ آؤں گا۔ اور یہ دل سے نکال دیجیے کہ میں نے آپ پر احسان کیا ہے۔ آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو میں اس کی بھی مدد کرتا۔

میں نے زور زبردستی سے آپ سے کوئی تعلق بنانے کی کوشش نہیں کی میں چاہتا تو ایسا کر سکتا تھا کیونکہ سب اختیار آپ مجھے سونپ چکی تھیں۔ کہیں میں بہت خوش ہوں میرے لیے یہ احساس ہی سکون بخش ہے کہ میں نے آپ کو نکاح کے بعد سے لے کر آج تک چھوا بھی نہیں۔ اور آپ بھی خوش ہوں گی کہ جیسی یہاں آئی تھیں ویسے ہی جا رہی ہیں۔ آپ صاحب حیثیت ہیں۔ دولت مند ہیں۔ نئی زندگی شروع کر سکتی ہیں۔ ملائکہ کے پاس جا سکتی ہیں۔"

حوریہ نے دھواں دھواں ہوتے چہرے سمیت اس

کی طرف دیکھنے کی کوشش کی۔ اس نے تو یہ بات اس سے چھپا رکھی تھی پھر اسے کیسے پتہ چلی۔

وہ اس کی طرف دیکھ نہیں پارہی تھی مبادا وہ اس کی آنکھوں میں پھیلنے والی نمی نہ دیکھ لے۔ جب سب کچھ طے تھا کہ ان کا ساتھ عارضی ہے تو پھر آج اس وقت اس کا دل ویران کیوں ہوا جارہا تھا۔

جب اس نے سوچ رکھا تھا' وہ یہاں سے جانے کے لیے آئی ہے تو پھر یہ دکھ یہ آنسو کیا معنی رکھتے ہیں۔

"آپ پریشان مت ہوں۔ آپ کے پاس زندگی کو آسان کرنے کے لیے بہت سی مادی وسائل ہیں اور آپ ہر شخص کو لالچی سمجھنا چھوڑ دیں' کیونکہ ہر کوئی ڈاکٹر آفتاب نہیں ہوتا۔"

شیر افگن اس کے بعد رکا نہیں گھر سے نکل گیا۔

حوریہ خود کو یقین دلا رہی تھی کہ اس نے جو کچھ سنا ہے وہ سچ ہے۔ شیر افگن ہی سب کچھ کہہ کر گیا ہے۔ یہ تو ہونا ہی تھا۔ اس کے لبوں پر زخمی سی مسکراہٹ آگئی۔



تمہارے ساتھ بھی تھی بے سکونی
تمہارے بعد بھی اک بے کلی ہے
ڈٹے ہیں اپنی ضد پہ دونوں
انا دیوار سی رہ میں کھڑی ہے

حوریہ اپنے کپڑے اور دیگر چیزیں رکھ رہی تھی۔ شیر افگن نے دروازے سے ہی جھانک کر اس کی سرگرمی ملاحظہ کی۔

وہ نارمل طریقے سے سب کچھ کررہی تھی۔ گویا اسے کوئی پچھتاوا نہیں تھا۔

اس گھر سے اس مطلبی و خود غرض لڑکی کو کتنی محبتیں ملی تھیں۔ مما پاپا اپنی بیٹی کی طرح چاہنے لگے تھے اسے' عادل اور ایان' بڑی بہن کی طرح احترام دیتے تھے۔ اور دادا جان تو اسے دیکھ کر جیتے تھے گویا۔ شیر افگن جیسے لاڈلے پوتے کی بیوی ہونے کے ناتے ان کا رویہ اور محبت خصوصی رہی تھی۔

کسی بات کو تو وہ سوچ لیتی۔ اور شاید وہ ڈاکٹر آفتاب کی طرح اسے بھی لالچی سمجھ رہی تھی۔ شیر افگن کو سب کچھ گوارا تھا مگر اس کی ذات کو کوئی نشانہ بنائے یہ کسی حال میں وہ برداشت نہیں کرسکتا تھا۔



شیر افگن گاڑی اسٹارٹ کرچکا تھا۔ حوریہ نے آخری نظر ان در و دیوار پہ ڈالی۔ اسے وہ دن یاد آگیا جب پھولوں کی پتیاں نچھاور کرتے ہوئے اس کا والہانہ استقبال ہوا تھا۔

وہ دھیرے دھیرے سیڑھیاں اتر رہی تھی۔ ہر سیڑھی پہ رکتی اور پھر پلٹ کر دیکھتی۔ پھر وہ نیچے آئی۔ برآمدے میں دادا جان کی چیئر اپنی مخصوص جگہ پڑی تھی۔ شدتِ ضبط سے اس کی آنکھیں سرخ ہونے لگیں۔ اسے یوں لگا اگر ایک منٹ بھی یہاں کھڑی رہی تو غم کی شدت سے بکھر جائے گی' ریزہ ریزہ ہوجائے گی۔

تیز تیز قدموں سے اس نے طویل برآمدہ اور صحن عبور کرکے گاڑی تک کا سفر طے کیا۔ شیر افگن اسی کے انتظار میں تھا۔ وہ آرہی تھی سیاہ عبایا اور اسکارف میں آنکھوں کے سوا سارا جسم چھپائے ہمیشہ کی طرح پراسرار اور دلکش لگ رہی تھی اسے۔ حوریہ کی آنکھیں اسے سرخ محسوس ہوئیں یا شاید اس کا وہم تھا۔ وہ گرنے کے انداز میں سیٹ پر بیٹھی تھی۔

شیر افگن اسے اس کے گاؤں والے آبائی گھر چھوڑنے جارہا تھا۔ جہاں اس نے جنم لے کر بچپن سے جوانی تک کا سنہرا دور گزارا تھا۔ اس نے خود درخواست کی تھی کہ مجھے وہاں چھوڑ آئیں۔ شیر افگن کو اس کے بچکانہ فیصلے پر اعتراض تھا مگر وہ کچھ کہنے کا حق نہیں رکھتا تھا۔

حیدر بھائی کی طرف وہ جانا نہیں چاہتی تھی' اس لیے پہلے ہی انکار کرچکی تھی۔ ملائکہ کی طرف اتنی جلدی نہیں جاسکتی تھی۔ کاغذی کارروائیوں میں ہی سال چھ ماہ لگ جانے تھے۔ لے دے کے اس کے پاس گاؤں والی

حویلی کا سہارا ہی تھا۔
رات اس نے شیر افگن سے کہا تھا "آپ مجھ پہ آخری احسان کردیں مجھے وہاں چھوڑ آئیں۔" اس نے اثبات میں جواب دیا تھا۔
الماری سے کپڑے نکالتے ہوئے نیچے کونے میں مخملیں کیس پہ اس کی نظر پڑی تھی۔ اس میں وہی لاکٹ تھا جو شادی کی اولین رات شیر افگن نے اسے دیا تھا۔ اس کے دل میں ہوک سی اٹھی تھی۔ لاکٹ اس نے اپنے شولڈر بیگ میں احتیاط سے رکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

گاؤں قریب آتا جارہا تھا۔ فاصلہ سمٹ رہا تھا۔ توں توں حوریہ کو اپنے حواس کمزور پڑتے محسوس ہورہے تھے۔ گاڑی براؤن گیٹ کے آگے رُک چکی تھی۔ اس کے قدموں نے اترنے سے انکار کردیا۔
"آپ کی منزل آچکی ہے مجھے اجازت دیں۔ میں بہت جلد اپنے وکیل سے طلاق کے پیپرز تیار کرواکر سائن کردوں گا۔ پھر آپ ہمیشہ کے لیے آزاد ہوجائیں گی۔" وہ اس کا بیگ نکال کر گاڑی کی ڈگی سے باہر رکھ چکا تھا۔
حوریہ نے بمشکل تمام گھسیٹ کر خود کو باہر نکالا۔ وہ دوبارہ گاڑی میں بیٹھ چکا تھا۔ گاڑی اسٹارٹ ہی نہیں ہو رہی تھی۔
حوریہ دنیا مافیہا سے بے خبر اسے دیکھے جارہی تھی۔ بلیو جینز، بلیو لائننگ والی شرٹ میں ملبوس اپنی ڈارک براؤن چمکیلی آنکھوں کو ڈارک گلاسز کے پیچھے چھپائے ہلکی ہلکی داڑھی میں، بالوں کے شارٹ کٹ اسمارٹ اسٹائل میں وہ اسے اپنی دسترس سے ہمیشہ کے لیے دور جاتا لگ رہا تھا۔
تیسری کوشش میں گاڑی اسٹارٹ ہوگئی۔ ان چند ثانیوں میں وہ اپنی آنکھوں سے گویا اس کا ایک ایک نقش حفظ کرچکی تھی۔ زن سے گاڑی دوڑاتا وہ اس کے پاس سے گزر گیا۔
حوریہ کا جی چاہا اسے آواز دے کر روک لے کہ مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ۔ مگر وہ نظروں سے اوجھل ہوچکا تھا۔ فقط دھول لہراتی رہ گئی تھی۔ جس میں اردگرد کے منظر دھندلا رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

گاؤں کے آس پاس کے گھروں کی عورتیں باہر نکل آئی تھیں۔ اتنے برسوں کے بعد اس کی آمد حیرت انگیز تھی۔ وقت کافی گزر چکا تھا اسے یہاں سے گئے مگر پھر بھی اس کی پہچان کے نقوش مدہم نہیں پڑے تھے۔ اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔
حیدر بھائی نے حویلی کی دیکھ بھال کے لیے جن میاں بیوی کو رکھا تھا وہ بھاگے بھاگے آئے۔ اس دیکھ بھال کا انہیں معقول معاوضہ ملتا تھا اس لیے تابعداری میں پیش پیش تھے۔
آس پڑوس کی اور عورتیں بھی اس کے پاس جمع ہوگئی تھیں۔ جن کے پاس طرح طرح کے سوال تھے۔
بہت سی آنکھوں نے اسے ایک جاذب نظر نوجوان کے ہمراہ گاڑی سے اترتے دیکھا تھا۔ جو اسے اتارنے کے بعد واپس چلا گیا تھا۔ اس کے بارے میں جاننے کا تجسّس تھا انہیں لیکن حوریہ فی الحال کسی سوال کا جواب دینا نہیں چاہتی تھی۔
حوریہ شکل سے ہی ہراساں اور پریشان لگ رہی تھی۔ چاچی فریدہ کو لگ رہا تھا، دال میں کچھ کالا ہے۔ اتنے سالوں کے بعد اس کی ایک اجنبی کے ہمراہ واپسی خالی از علت نہیں تھی۔
"آج رات ادھر ہی سوجاؤ۔ صبح اپنے گھر چلی جانا خیر سے۔" اس نے خاموشی سے سر اثبات میں ہلا دیا۔
شکر تھا کہ چاچی فریدہ نے اس کے بعد کوئی سوال نہیں کیا۔ حد سے زیادہ تھک گئی تھی وہ لیکن نیند بڑی دیر کے بعد آئی جب وہ جاگ جاگ کر بے حال ہوچکی تھی۔

☼ ☼ ☼

دوسرے دن وہ اپنی حویلی میں آگئی۔
سب کچھ ویسا ہی تھا۔ وہی کمرے، ویسا ہی گول ستونوں والا برآمدہ وہی بل کھاتی سیڑھیاں، وہی اپنائیت بھری فضا، سب کچھ ویسا ہی تو تھا۔
بابا جان کے کمرے میں جاکر اس نے ایک ایک چیز کو چھو کر دیکھا۔ پھر اپنے کمرے میں آئی جہاں اماں فاطمہ اس کے ساتھ سویا کرتی تھیں۔
روبینہ اور انور کے لیے وہ اجنبی تھی۔ لیکن مالکن ہونے کے ناتے وہ اس سے اپنائیت سی محسوس کر رہے تھے۔ بہت خاموش گم صم اور اداس سی لگ رہی تھی مالکن۔ خاصی بے ضرر۔ دوپہر کے کھانے کا انہوں نے پوچھا کہ کیا بنایا جائے تو اس نے کہا جو مرضی بناؤ......
حوریہ نے دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا اور کمرے میں گھسی رہی۔ روبینہ کھانے کا کہنے آئی تو اس نے اندر سے ہی کہہ دیا بھوک نہیں ہے۔
شام ہوگئی مگر اس کے کمرے کا دروازہ بند ہی رہا۔
روبینہ سے رہا نہیں گیا اور اس نے دستک دے ڈالی۔ تیسری دستک پہ حوریہ نے دروازہ کھول دیا۔ سرخ متورم آنکھیں، ناگفتہ بہ حالت وہ صدیوں کی بیمار نظر آرہی تھی۔
"مجھے ایک کپ چائے بنادو۔" اس سے پہلے کہ روبینہ کوئی سوال کرتی، حوریہ حکم دے کر دوبارہ اندر چلی گئی۔
روبینہ کے ذہن میں بہت سے سوال آرہے تھے لیکن جواب معلوم کرنے کی جرأت بہرحال اس میں نہیں تھی۔

☼ ☼ ☼

رات کو بڑا تیز طوفان آیا۔ روبینہ اور انور سارے دروازے بند کرکے کب کے اپنے کمرے میں جاچکے تھے۔
حوریہ سارا دن وقفے وقفے سے روتی رہی۔ دن کو کھانا کھایا ہی نہیں گیا، رات اس نے چند نوالے زہر مار کیے۔ اب وہ دروازہ بند کیے لیٹی تھی جب تیز چلنے والی ہوا یکایک ہی آندھی اور طوفان میں بدل گئی۔ باہر تیز ہوا کی شائیں شائیں اور بادلوں کی گڑگڑاہٹ تھی۔ بجلی رہ رہ کر چمک رہی تھی۔ درختوں کے سائے کھڑکی کی طرف جھکے تھے۔ بجلی کے چمکنے سے سارا ماحول ایک ثانیہ کے لیے منور ہوجاتا اسے یوں لگا جیسے کھڑکی کے باہر بہت سی نادیدہ بلائیں اسے دیکھ رہی ہیں۔
بے اختیار گھبرا کر اس نے روبینہ اور انور کو آوازیں دیں مگر اس قیامت کے شور میں ان تک حوریہ کی کوئی بھی آواز نہیں پہنچ رہی تھی۔ وہ زور زور سے رونے لگی۔ کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی خوف نے اس کے دل دماغ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔
"شیر افگن! کہاں ہو، پلیز آجاؤ میری مدد کرو۔" اس کا نام سسکاری کے ساتھ اس کے لبوں سے برآمد ہوا۔ جیسے وہ پاس ہو اور سن رہا ہو۔
خوف سے بے حال ہوتے ہوتے اس کے حواس ہی ساتھ چھوڑ گئے۔

☼ ☼ ☼

حیدر، حنان، عافیہ اور نتاشا چاروں اس کے گرد گھیرا کیے پریشانی سے دیکھ رہے تھے۔ صبح روبینہ نے کتنی بار حوریہ کے دروازے پہ دستک دی مگر اندر سے کوئی جواب نہیں ملا، وہ انور کو بلا لائی۔ دونوں برابر دستک دے کر اسے بلاتے رہے۔ پندرہ منٹ کے بعد روبینہ چاچی فریدہ کو بلا لائی۔ باہمی مشورے کے بعد دروازہ توڑ دیا گیا۔ اندر حوریہ بے ہوش پڑی تھی۔
اس کے ماتھے پر خون جما ہوا تھا۔ شاید وہ کسی چیز سے ٹکرائی تھی نبض آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔
اس دوران انور، چاچی فریدہ کے شوہر اور ایک پڑوسی کی مدد سے حوریہ کو گاڑی میں ڈال کر گاؤں کے سب سے مستند ڈاکٹر کے پاس لے آیا۔ حوریہ کو اس نے ابتدائی طبی امداد دے دی تھی۔ اور گلوکوز بھی لگا دیا تھا۔ خطرے یا پریشانی والی بات نہیں تھی۔ انور نے حیدر کو فون کردیا تھا۔
وہ خوف اور کمزوری کی وجہ سے بے ہوش ہوئی تھی اور بی پی بھی خطرناک حد تک لو ہو رہا تھا۔ ان چاروں

کے آنے تک اسے کچھ کچھ ہوش آنے لگا تھا۔

ڈاکٹر نے دوائیں دے کر سب ٹھیک ہے کا اشارہ کیا تو وہ اسے لے کر گھر آگئے۔ ابھی بھی اس کی آنکھیں نہیں کھل رہی تھیں۔ پلکوں پہ منوں بوجھ دھرا محسوس ہو رہا تھا۔

انور اور روبینہ کو جو کچھ معلوم تھا حیدر کو بتا چکے تھے۔ اس سے زیادہ انہیں کچھ معلوم نہیں تھا۔ ان کی آمد پر چاچی فریدہ بھی آگئیں۔ یہ انہیں بھی پتہ تھا کہ ایک سانولا خوش شکل چھوٹی چھوٹی داڑھی والا اونچا لمبا نوجوان گاڑی میں یہاں تک حوریہ کو چھوڑ کر گیا تھا لیکن وہ کون تھا چاچی فریدہ کو نہیں پتہ تھا۔

ان سب کو معلوم ہو گیا کہ وہ شیر افگن کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا۔ حلیہ سو فیصد اسی کا تھا۔ عافیہ نے حیدر سے کہا کہ ابھی فون کر کے اس سے پوچھو کہ حوریہ کو یہاں اکیلا کیوں چھوڑ کر گیا۔ وہ کافی غصے میں تھی اور حیدر کے ساتھ حنان کو بھی تاؤ دلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ حنان نے حیدر سے کہا کہ پہلے حوریہ سے اصل بات معلوم کرتے ہیں اس کے بعد شیر افگن سے بات ہو گی۔

جہاں تک حنان کو اس کے بارے میں علم تھا وہ حساس، رحم دل اور محبت کرنے والا شخص تھا۔ بقول عافیہ بھابھی کے اس نے حوریہ پہ ظلم کیا اور یہاں پھینک گیا لیکن وہ اس بات سے متفق نہیں تھا۔ وہ اعلا تعلیم یافتہ اور مہذب کردار کا لڑکا تھا، اس طرح کی حرکت کی توقع اس سے رکھی ہی نہیں جا سکتی تھی۔

حنان نے عافیہ اور نتاشا کو منع کر دیا کہ فی الحال حوریہ سے کوئی سوال نہ کیا جائے۔ اسے ساتھ لے کر وہ لاہور واپس آگئے۔

☼ ☼ ☼

گھر پہنچتے ہی حنان نے شیر افگن کو فون کیا۔ وہ فی الحال چکوال میں تھا۔ آواز سے اس کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔

"حوریہ سے تو بات کراؤ میری۔ ذرا حال احوال پوچھوں۔ شادی کے بعد ایک بار کے علاوہ وہ ادھر آئی ہی نہیں۔ ذرا کلاس تو لوں اس کی۔" حنان نے اپنے انداز سے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ اسے حوریہ کی گاؤں موجودگی کا علم ہے اور یہ کہ اس وقت وہ گاؤں میں نہیں بلکہ اس کے پاس ہے۔

اس کے سوال پہ دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔ خاصی دیر بعد وہ بڑی مشکل سے بولا۔

"حوریہ اس وقت یہاں نہیں ہے۔"

"تو کہاں ہے؟" اس نے اپنے اندرونی غصے پہ بمشکل قابو پایا۔

"وہ اس وقت اپنے گاؤں والی حویلی میں ہوں گی اور ان کے کہنے پہ میں نے انہیں وہاں ڈراپ کیا تھا۔" وہ آہستہ آہستہ بول رہا تھا۔

"کیوں تم نے حوریہ کو وہاں اکیلا چھوڑا؟" اب کی بار اس کا غصہ ظاہر ہو ہی گیا۔

"اگر میں یہ کہوں کہ میں نے ان کی خواہش پہ سب کچھ کیا ہے تو تم یقین کر لو گے میرا؟" اس کے لہجے میں کچھ ایسا ضرور تھا کہ حنان کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

پھر شیر افگن نے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ کتنی دیر حنان خاموش رہا۔

"میں اس سے بات کرتا ہوں کہ اس نے یہ سب کیوں کیا اس کے بعد اس کا حل سوچیں گے اور تم دادا جان یا کسی اور سے مت کہنا۔"

"میں نے کیا کہنا ہے۔ اس وقت سے پریشان ہوں جب سے پوچھیں گے حوریہ کہاں گئی تو میں کیا جواب دوں گا۔" حنان کو اس کی بات پہ پیار سا آگیا۔

حوریہ مجرموں کی طرح سر جھکائے بیٹھی تھی۔ حنان، عافیہ بھابھی کے بارے میں سوچ سوچ کر متنفر ہو رہا تھا۔ حوریہ کے ذہن کو زہر آلود کرنے والی یہی تھیں۔ اس کے اس فیصلے کا محرک یہی تھیں۔

"تم گھر میں مجھ سے حیدر بھائی سے ذکر کر سکتی تھیں۔" خاصی دیر بعد وہ بولا اب وہ اسے نگاہیں نہیں ملا رہا تھا۔

پہلے وہ اس پہ خاصی گرجا برسا خوب کھری کھری سنائیں۔ زندگی میں پہلی بار اسے اتنا شدید غصہ آیا تھا۔ حوریہ خائف سی ہو کر بول ہی پڑی۔ وہ سب کچھ بتا گئی جو عافیہ بھابھی وقتاً" فوقتاً" ہمدردی کی آڑ میں اسے کہتی آئی تھیں۔ جب اس نے یہ کہا کہ عافیہ بھابھی نے پورے یقین سے یہ کہا تھا کہ تمہیں کوئی اچھے گھرانے کا رشتہ نہیں ملے گا۔ نہ ہی کوئی کنوارا لڑکا تمہیں اپنی بیوی بنانا پسند کرے گا تو اس بات پر حنان کا دل چاہا اپنے سر کے بال نوچ لے۔

"بیوقوف لڑکی! تم جن باتوں سے ڈرتی رہیں وہ تو شادی سے پہلے ہی حیدر بھائی اور میں نے شیر افگن کو بتا دی تھیں۔ اور اس نے اپنی مما پپا کو پاکستان چھوڑنے سے پہلے تمہارے ساتھ ہونے والی ٹریجڈی سے آگاہ کر دیا تھا۔ جن باتوں کی ان کے نزدیک اہمیت نہیں تم خواہ مخواہ انہیں سر پر سوار کیے رہیں۔ اور تم اب کوئی مزید حماقت نہیں کرو گی۔ شیر افگن آرہا ہے۔ شکر کا مقام ہے اتنا کچھ ہونے کے باوجود وہ میرے کہنے پہ منت سماجت کرنے پر مان گیا ہے۔ تمہیں قدر کرنی چاہیے اس کی محبت کی۔ ایسے لوگ تو قسمت والوں کو ملتے ہیں۔"

حنان جا چکا تھا، وہ تو اسی ایک جملے کے حصار میں قید تھی کہ وہ آرہا ہے۔



عافیہ نے بڑی حیرت سے حوریہ کی سرگرمیوں کو دیکھا۔

تین دن کے بعد وہ آج کمرے سے نکلی تھی۔ بہت خوبصورت جوڑا زیب تن کیے بال سنوارے بات بات مسکراتے لب۔ کتنی انوکھی اور مختلف لگ رہی تھی۔ ورنہ جس حوریہ سے عافیہ واقف تھی وہ دبو بزدل اور چھوٹے سے دل کی مالک احساس کمتری کا شکار لڑکی تھی۔

"کیا بات ہے بہت خوش ہو آج۔ ورنہ جب سے ہم تم کو گاؤں سے لے کر آئے تھے تم چوبیس گھنٹے کمرا بند کیے پڑی تھیں۔" اس کی نظر اندر تک اتر جانے والی تھی۔

"بھابھی! شیر افگن آرہے ہیں ناں۔ رات کو ان کا فون آیا تھا کہ تیار رہنا، آج میں تمہیں لے جاؤں گا۔" حوریہ کے لبوں پر خوبصورت مسکان سجی تھی۔

ہمیشہ سے سادہ اور عام سے حلیے میں رہنے والی حوریہ اس وقت بہت پرکشش لگ رہی تھی۔

"تم گاؤں کیوں گئی تھیں اور تمہیں وہ اکیلا کیوں چھوڑ آیا تھا وہاں پہ؟" اس ایک سوال کا جواب حاصل کرنے کی خاطر وہ مری جا رہی تھی۔

"میں نے ہی ضد کی تھی کہ میں اکیلے کچھ دن گاؤں میں گزارنا چاہتی ہوں۔ میری ضد کے آگے وہ مجبور ہو گئے تھے ورنہ یہاں بھی نہیں رہنے دیتے کہ رات نہیں رکنے دوں گا۔" اس نے بڑے دھڑلے سے جھوٹ بولا۔ عافیہ کا چہرا اتر سا گیا۔

وہ توقع کر رہی تھی کہ کوئی چٹ پٹی سی کہانی ہو گی مسالے دار واقعہ ہو گا مگر یہاں تو کھودا پہاڑ نکلا چوہا والا معاملہ تھا۔

حنان دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھے لیٹا ہوا تھا۔ نتاشا باہر گھر کے کاموں میں لگی ہوئی تھی۔

حوریہ کے بارے میں سوچتے ہوئے اس کے دل پہ بوجھ سا آگرا تھا۔ امی حوریہ سے بہت پیار کرتی تھیں۔ ان کی خواہش پہ اسے بھی اعتراض نہیں تھا۔ مگر امی کے مرتے ہی بھابھی نے اس کی سوچوں کو یکسر بدل ڈالا تھا۔ اس کی زندگی میں حوریہ بہت پیچھے بہت ہی دور رہ گئی۔ شادی ہو گئی تھی مگر اس کے باوجود بھی وہ کبھی کبھی بیٹھے بیٹھے گم ہو جاتا۔ بڑی خاموشی سے اس کی آنکھوں سے ابھی بھی ایک آنسو نکلا تھا۔

شیر افگن آرہا تھا۔ اس کے بعد اسے پکی امید تھی کہ حوریہ وہ سب پالے گی جس کے خواب دیکھتی آئی تھی۔

اس نے شیر افگن کے لہجے میں حوریہ کے لیے پریشانی دیکھی تھی۔ اور حوریہ کی آنکھیں بھی اس کی آمد کا سن کر دمک اٹھی تھیں۔

"حوریہ ہمیشہ خوش رہے میرے اللہ!" اس نے صدق دل سے دعا کی۔ اب اس کا دل شانت تھا۔

اس کی پلکوں پہ اکا دکا نمکین قطرہ ہنس پڑا تھا۔

شیر افگن ڈائننگ ٹیبل پہ عین اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ حوریہ سے تو کھانا ہی نہیں کھایا جا رہا تھا۔

یہاں آ کر اس نے پرانی باتوں کو نہیں چھیڑا تھا۔ بس حیدر بھائی سے کہا کہ میں حوریہ کو لینے آیا ہوں۔ واپسی کے لیے اس نے جہاز میں دو سیٹیں ریزرو کروالی تھیں وہ حوریہ کے ساتھ اسلام آباد جا رہا تھا۔

ایئرپورٹ سے باہر ڈرائیور ان ہی کا انتظار کر رہا تھا۔ پورے راستے میں شیر افگن نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ حوریہ کی تو ہمت ہی نہیں پڑ رہی تھی اسے مخاطب کرنے کی۔ گاڑی میں بھی ڈرائیور کی موجودگی میں اس نے کوئی بات نہیں کی۔ اس کی منزل آچکی تھی۔

ڈرائیور سلام کر کے چلا گیا۔ اب حوریہ وہاں اکیلی کھڑی تھی۔ کیوں کہ شیر افگن اندر چلا گیا تھا۔ وہ اس سے بولا نہیں تھا نہ اسے اندر آنے کو کہا تھا۔ حوریہ کو پتہ تھا وہ بہت زیادہ ناراض ہے۔ وہ اسے حق بجانب تصور کر رہی تھی۔

اپنی ذات پہ اس کا اعتماد بحال ہوا تھا تو وہاں اپنے جذبوں کی سچائی بھی اس پہ عیاں ہو گئی تھی۔

حوریہ اس کے کمرے کے بند دروازے کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کا ہاتھ دستک کے لیے آگے بڑھا۔ اور پھر اس نے بڑے یقین کے ساتھ اپنی محبت کے دروازے پہ دستک دی۔

کبھی آؤ کہ ہم مل بیٹھ کر پوری کریں
جو باتیں ادھوری رہ گئی ہیں
زباں تک آتے آتے جم گئی ہیں
کہ جیسے برف باری میں
درختوں کے ہرے پتوں پہ جاناں

شیر افگن نے دروازہ کھول دیا۔ ہچکچاتے ہوئے اس نے قدم آگے بڑھائے۔

وہ بالوں میں برش کر رہا تھا۔ مڑ کر دوبارہ اپنے شغل میں مصروف ہو گیا۔ حوریہ اس کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ سر جھکائے۔ اس کی طرف دیکھنے کا حوصلہ اس میں نہیں تھا۔ کیونکہ اب اس کی نگاہیں حوریہ پہ ہی مرتکز تھیں۔

"آپ ایسی لڑکی کو معاف کر سکتے ہیں جس کا اعتبار ہر رشتے سے اٹھ چکا ہو جو اپنی کم مائیگی سے ڈرتی ہو کیونکہ جس کی رفاقت کے وہ خواب دیکھتی ہے وہ آسمان ہے اور وہ خود زمین ہے۔ وہ اپنے ہی جذبوں کی تپش سے پگھل رہی ہو قطرہ قطرہ موم بن کر۔ بتایئے آپ ایسی لڑکی کو معاف کر سکتے ہیں۔۔۔؟" حوریہ کا لہجہ بھر آگیا تھا۔ اسے قابو نہیں رہا تھا۔

شیر افگن نے اس کے کندھوں پہ ہاتھ رکھا۔ اگلے ہی لمحے وہ اس کے مضبوط حصار میں تھی۔

"جسے وہ آسمان کہہ رہی ہے وہ خود بھی تو پگھل رہا ہے۔ اور تم تو اس کی پیاس کے لیے دریا ہو۔"

حوریہ نے اپنی حیران آنکھیں اٹھائیں مگر زیادہ دیر اس کی جذبوں کی یورش سے سجتی آنکھوں کے سامنے ٹھہر نہیں سکی اور پلکوں کی چلمن گرا لی۔

"اتنی جلدی گھبرا گئی ہو۔ یہاں کوئی معافی نہیں ہے۔" اس کی گستاخ نگاہیں صاف طور پر پیغام دے رہی تھیں۔

"چار ماہ میں میں نے خود پہ بہت جبر کیا اب تمہاری سزا شروع ہو گی دیکھتا ہوں کتنا برداشت کرتی ہو۔"

اس کے چہرا جھکانے پر وہ بہت ہنسا۔

شیر افگن نے اسے شرمندہ نہیں کیا تھا۔ اس کے جذبوں کو پذیرائی بخش دی تھی اور اس سے وہ کتنی خوش تھی۔ کوئی اس کے دل سے پوچھتا جو محبت کی خوبصورت تال پہ دھڑک رہا تھا۔

سوتے میں اس کے چہرے پہ البیلی سی مسکان سجی ہوئی تھی۔ شیر افگن نے اسے محبت کا اعتبار دے کر چاہت کے خوبصورت رنگوں سے سجایا تھا۔

وہ رنگ جو کبھی نہ مٹنے والے تھے۔ پکے اور سچے رنگ محبت کے خالص رنگ۔

اب حوریہ کو کوئی بے رنگ نہیں کہہ سکتا تھا۔